آنگن ٹیڑھا
مرزا امجد بیگ
WWW.PAKSOCIETY.COM

آنگن ٹیڑھا

مرزا امجد بیگ

دورِ حاضر میں انسان ایمانداری کرکے گویا مشکلات کو دعوت دے لیتا ہے کیونکہ یہ تو گئے وقتوں کا قصہ ہے جب ایمانداری کے ساتھ ساتھ وفاشعاری بھی زمانے کا چلن تھی مگر چال ہو یا چلن ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں... اس کی سادگی... اور پسند کی شادی... اس کے گلے کا طوق بنتی جارہی تھی اور رشتے پیروں کی زنجیر بنے اسے آگے بڑھنے سے روک رہے تھے ایسے میں مرتا کیا نہ کرتا کہ مصداق اس نے وہ انتہائی قدم اٹھالیا جس کی اسے خود بھی توقع نہ تھی لیکن وقت کے آئینے میں اسے حالات کی جو صورت نظر آئی اسے دیکھ کر وہ گویا لرز گیا... اسی لیے کہتے ہیں کہ رشتوں کی لاٹھی زندگی کے سفر کو آسان کردیتی ہے بشرطیہ خلوص اور محبت بھی ساتھ ساتھ چلے تو... ورنہ امتحان، آزمائش اور وہم وگمان کی تیز دھوپ زندگی کے تمام رنگوں کو پھیکا کردیتی ہے۔

ایک ٹیڑھے آنگن کی روداد جس میں آفتوں نے ڈیرا جمالیا تھا

ایک روز میں عدالت سے نکل کر پارکنگ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اسٹیمپ فروش کے اسٹال پر ایک شخص نے آواز دے کر مجھے روک لیا۔ ”بیگ صاحب! ایک منٹ......!“

میں رک گیا اور مڑ کر پکارنے والے کو دیکھا۔ وہ ایک اسٹیمپ فروش تھا۔ میں نے اسے اکثر اس اسٹال میں بیٹھے دیکھا تھا اور اس کا صورت آشنا ہی نہیں بلکہ نام شناس بھی تھا۔

”غوری صاحب...... فرمایئے؟“ میں نے اس کے قریب جا کر کہا۔

”کیا ابھی آپ عدالت کے کمرے سے نکلے ہیں؟“ غوری نے پوچھا۔

”ہاں......“ میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔

”کوئی خاص بات؟“

اس نے رسٹ واچ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔ ”آپ تو روزانہ اس سے بہت پہلے رخصت ہوجاتے ہیں۔ آج کافی دیر نہیں ہوگئی؟“

”عدالتی چکروں میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے غوری صاحب۔“ میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ”ادھر برآمدے میں ایک کلائنٹ نے گھیر لیا تھا۔ میں نے جان چھڑانے کی بہت کوشش کی پھر بھی وہ زبردستی منت کر کے مجھے کینٹین لے گیا اور جب تک میں نے اس کی جیب سے چائے کے ساتھ بسکٹ نہیں کھالیے اس کی تسلی نہیں ہوئی۔ ابھی اسے مطمئن کر کے بھیجا ہے۔“ میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

”غوری صاحب! آپ کا چہرہ اور آنکھیں بتا رہی ہیں کہ آپ نے کسی وجہ سے مجھے روکا ہے......“

”وہ بات دراصل یہ ہے بیگ صاحب!“ وہ سر کو اثباتی جنبش دینے کے بعد وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ”ابھی چند منٹ پہلے ایک شخص آپ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ ابھی تک عدالت میں موجود ہیں۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ بیگ صاحب تو جا چکے ہیں۔“

”اس شخص نے اپنا نام کیا بتایا تھا؟“ میں نے استفسار کیا۔

”علی مراد......!“

میں نے اپنے ذہن پر زور ڈالا لیکن فوری طور پر مجھے یاد نہ آسکا کہ میں نے کسی علی مراد کو آج عدالت آنے کا کہا ہو۔ اس دوران میں غوری یک ٹک مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔ ”یہ علی مراد مجھے کس سلسلے میں ڈھونڈ رہا تھا؟“

”آپ علی مراد کے حوالے سے زیادہ پریشان نہ ہوں۔“ غوری نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”میرا اندازہ تو یہ کہتا ہے کہ وہ آپ کے لیے کوئی نیا کلائنٹ ثابت ہوسکتا ہے۔ میں نے اسے آپ کے دفتر کا ایڈریس سمجھا دیا ہے۔ وہ آپ کو وہیں مل جائے گا۔ کافی ضرورت مند نظر آرہا تھا۔“

میں نے ایک گہری سانس خارج کی، غوری کا شکریہ ادا کیا اور تیز قدموں کے ساتھ اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

میں نے اپنے پسندیدہ مخصوص ہوٹل سے ڈٹ کر کھانا کھایا اور آفس پہنچ گیا۔ میرا آفس، سٹی کورٹ کے نزدیک ہی ایک کثیر المنزلہ عمارت میں واقع تھا اور مذکورہ ہوٹل میرے راستے میں پڑتا تھا۔ یہ میرا روز کا معمول تھا کہ عدالتی بکھیڑوں سے فارغ ہونے کے بعد میں ہوٹل میں بیٹھ کر تسلی سے کھانا کھاتا پھر آفس میں جاکر کلائنٹس سے ملاقات شروع کردیتا تھا۔

اس روز میں حسب معمول جب اپنے آفس پہنچا تو وزیٹرز لابی خاصی آباد نظر آئی۔ میں نے وہاں موجود کلائنٹس پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی اور اپنے چیمبر کی جانب بڑھ گیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت تک علی مراد میرے ذہن سے سلپ ہوچکا تھا۔

لگ بھگ ایک گھنٹے بعد میری سیکریٹری نے انٹرکام پر بتایا۔ ”سر! ایک صاحب کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے پاس اپائنٹمنٹ نہیں تھا اس لیے میں نے انہیں روکے رکھا۔ ابھی میں انہیں بھیج رہی ہوں۔“

”کیا اپائنٹمنٹ والے تمام کلائنٹس نمٹ گئے؟“ میں نے پوچھا۔

”یس سر......!“ سیکریٹری کی پُراعتماد آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

”ٹھیک ہے...... تم ان صاحب کو اندر بھیج دو۔“ میں نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک پستہ قامت، فربہ اور گول مٹول سا شخص میرے چیمبر میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی ڈاڑھی بھلی لگ رہی تھی۔ اس نے بڑے ادب سے مجھے سلام کیا۔ میں نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا اور بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ اپنا تعارف کراتے ہوئے بولا۔

”بیگ صاحب! میرا نام علی مراد ہے۔ میں دن میں آپ کی تلاش میں سٹی کورٹ کی طرف بھی گیا تھا......“

اسی لمحے غوری اسٹیمپ فروش کی بات میرے ذہن میں گھوم گئی۔ میں نے صورتِ حال کو سنبھالتے ہوئے اس کی تسلی کی خاطر کہا۔

”ہاں، مجھے پتا چل گیا تھا لیکن میں ایک ایسے معاملے میں الجھا ہوا تھا کہ دفتر پہنچنے میں مجھے دیر ہوگئی خیر......“ میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کیا۔ ”آپ بتائیں...... میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟“

بات ختم کرتے ہی میں نے رف پیڈ اور قلم سنبھال لیا۔

علی مراد نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”بیگ صاحب! آپ کے پاس مجھے نفیس احمد نے بھیجا ہے اور یقین دلایا ہے کہ آپ تسلی بخش انداز میں میرا کام کردیں گے۔“

”کون نفیس احمد؟“ میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

”نفیس الیکٹرونکس والے نفیس صاحب۔“ وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ”صدر کی الیکٹرونکس مارکیٹ میں جن کی فریج، فریزر اور واٹر کولر کی دکان ہے۔“

”اوہ...... وہ نفیس صاحب!“ میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”آپ ان کو کیسے جانتے ہیں؟“

نفیس احمد سے میری دیرینہ شناسائی تھی۔ مجھے یا میرے کسی بھی تعلق دار کو کبھی فریج یا فریزر وغیرہ خریدنا ہوتا اور وہ اس سلسلے میں مجھ سے مشورہ کرتا تو میں اسے سیدھا ”نفیس الیکٹرونکس“ کی راہ دکھا دیا کرتا تھا اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ نفیس احمد نے کبھی مجھے مایوس نہیں کیا تھا۔

”الیکٹرونکس مارکیٹ ہی میں میری ٹی وی کی دکان ہے۔“ علی مراد نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ”نفیس صاحب سے میری اچھی دعا سلام ہے۔“

”بہت خوب......!“ میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔ ”اب آپ جلدی سے مجھے اپنے مسئلے کے بارے میں بتادیں تاکہ میں فیصلہ کرسکوں کہ اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں۔“

”مسئلہ میرا نہیں، فرقان کا ہے۔“ علی مراد نے بتایا۔

”یہ فرقان کون ہے؟“ میں نے پوچھا۔

اس نے جواب دیا۔ ”فرقان میرا داماد ہے۔“

”اوہ......!“ میں نے علی مراد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا آپ کا داماد کسی انداز میں آپ کی بیٹی کو تنگ کررہا ہے۔“

”نہیں جناب، ایسی کوئی بات نہیں۔“ وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ”فرقان تو اتنا اچھا انسان ہے کہ اس کی ذات سے کبھی کسی کو کوئی تکلیف پہنچ ہی نہیں سکتی اور شاید...... شاید اس کا یہی اچھا پن اس کے لیے مصیبت بن گیا ہے......“

”کیسی مصیبت علی مراد صاحب؟“ میں نے چونکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”فرقان کو پولیس نے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا ہے۔“ وہ تھکے ہوئے انداز میں بولا۔

”یہ کب کی بات ہے؟“

”دو روز پہلے کی۔“ اس نے بتایا۔

”فرقان پر کس کے قتل کا الزام ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”مسز نگہت کے قتل کا الزام......!“

”یہ مسز نگہت کون ہیں؟“ میں نے استفسار کیا۔

”فرقان کے مالک مکان کی بیوی تھی وہ۔“ اس نے جواب دیا۔ ”فرقان کے ساتھ پے در پے زیادتی ہوئی ہے بیگ صاحب۔ نرگس کے شوہر قاضی وحید نے پہلے اسے اپنے گھر میں ایک کرایے دار کی حیثیت سے رکھا۔ پھر گھر کی بالائی منزل پر شفٹ کردیا اور آخر میں گھر فروخت کرنے کے بہانے اس کو بےدخل کردیا۔ جب فرقان نے اس سے حساب مانگا تو ایک گہری سازش کے تحت اس قتل کے الزام میں بند کروا دیا۔“

”اوہ...... دلچسپ اور افسوس ناک واقعہ ہے۔“ میں نے رف پیڈ پر قلم گھسیٹتے ہوئے کہا پھر نگاہ اٹھا کر علی مراد کی جانب دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔ ”آپ نے بتایا ہے کہ فرقان کو دو روز پہلے پولیس نے گرفتار کیا ہے۔ آج اٹھارہ اکتوبر ہے۔ اس کا مطلب ہے، فرقان کی گرفتاری......“

”پندرہ اکتوبر کی رات۔“ وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ ”فرقان کو پندرہ اکتوبر کی رات میرے گھر سے گرفتار کیا گیا تھا۔“

”ہوں......“ میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”گویا پولیس نے سولہ اکتوبر کی صبح فرقان کو عدالت میں پیش کرکے اس کا ریمانڈ لے لیا ہوگا اور اس وقت وہ پولیس کسٹڈی میں ہے؟“

”جی...... آپ کا اندازہ درست ہے۔“ اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

”وہ کون سے تھانے میں بند ہے؟“ میں نے پوچھا۔

علی مراد نے متعلقہ تھانے کا نام بتادیا۔

میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”علی مراد صاحب! ابھی تک آپ نے مجھے اپنے داماد کے بارے میں جو بھی معلومات فراہم کی ہیں وہ بہت ہی الجھی ہوئی اور نامکمل ہیں۔ اس صورتِ حال میں، میں کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں۔ مجھے پوری تفصیل کے ساتھ یہ پتا ہونا چاہیے کہ آپ کے داماد اور قاضی وحید کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا رہی ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ اس نازک موقع پر جبکہ فرقان قتل کے الزام میں، ریمانڈ پر ہے تو اس کے گھر والے کہاں غائب ہیں...... ایسے حالات میں فرقان کے والدین کو تو سب سے آگے حرکت کرتے ہوئے نظر آنا چاہیے......؟“

”آپ بجا فرما رہے ہیں بیگ صاحب!“ وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ”انہیں واقعی سب سے زیادہ متحرک نظر آنا چاہیے مگر......! وہ لوگ فرقان سے سخت ناراض ہیں۔“ علی مراد نے گہری سنجیدگی سے بتایا۔ ”سمجھ لیں کہ مرنا جینا ختم کیا ہوا ہے انہوں نے......!“

”اس بائیکاٹ کا کوئی خاص سبب؟“

”فرقان کی شادی......!“

”اوہ......!“ میں نے متاسفانہ انداز میں کہا۔ ”یعنی وہ لوگ آپ کی بیٹی اور فرقان کی شادی کے خلاف تھے؟“

”سخت خلاف!“ وہ قطعیت سے بولا۔ ”تاہم اس شادی کے موقع پر کسی طرح منت خوشامد کرکے فرقان نے انہیں راضی کرلیا تھا۔ وہ لوگ نہ صرف بڑے بھرپور انداز میں اس شادی میں شریک بھی رہے بلکہ شادی کے بعد لگ بھگ تین ماہ تک عظمٰی اپنی سسرال میں بھی رہی تھی پھر وہاں فتنہ فساد اس قدر بڑھ گیا کہ فرقان کو گھر چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس کے بعد ہی وہ کرایے کے مکان میں گیا تھا۔“

”عظمٰی آپ کی بیٹی کا نام ہے......؟“

اس نے اثبات میں گردن ہلائی، میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اگر میں غلطی نہیں کررہا تو عظمٰی اور فرقان کی ”لو میرج“ ہے؟“

”آپ کا اندازہ سو فیصد درست ہے۔“

محبت کی شادیوں میں عموماً سماجی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی لڑکی کو اور کبھی لڑکے کو اور بعض حالات میں دونوں کو۔ اسی کھینچا تانی اور کشمکش میں میاں بیوی ایسے معاشرتی جھمیلوں میں پھنس جاتے ہیں کہ انہیں ایک دوسرے پر توجہ دینے کی فرصت ہی میسر نہیں آتی۔ پیار محبت تو رہی دور کی بات، وہ ایک دوسرے سے ڈھنگ سے بات کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ لو میرج کرنے والوں کو ایک دوسرے سے سنگین شکایات پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے جتنی شدت کی محبت اور چاہت کی توقع کر رہے ہوتے ہیں، زمینی حقائق اس کی اجازت نہیں دیتے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے محبت کی شادیوں کی غالب تعداد ناکامیاب رہتی ہے۔ یا تو یہ بندھن قائم ہی نہیں رہتا اور یا پھر زہر کے گھونٹ پی پی کی زندگی گزارنا ہوتا ہے۔

''آپ نے فرقان کے والدین کو اس افسوسناک واقعے کی اطلاع دی؟'' میں نے علی مراد سے استفسار کیا۔

''براہ راست تو نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''لیکن کسی تیسرے شخص کے توسط سے میں نے ان تک اس معاملے کی خبر پہنچادی ہے۔''

''انہوں نے کیا ردِعمل ظاہر کیا ہے؟''

''وہ اپنی ضد بہ الفاظ دیگر اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہیں۔'' علی مراد نے دکھی لہجے میں جواب دیا۔ ''ان کا مؤقف بہت ہی سفاک اور غیر انسانی ہے۔ ان کے مطابق جب فرقان نے گھر چھوڑا تھا وہ ان کے لیے مر گیا تھا۔''

''ہوں......'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ ''یہ صورتِ حال خاصی گمبھیر اور افسوس ناک ہے۔ بہر حال......'' لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے استفسار کیا۔

''آپ مجھے فرقان اور قاضی وحید کے باہمی معاملے کے بارے میں بتارہے تھے......؟''

''یہ معاملہ بھی خاصا الجھا ہوا اور پیچیدہ ہے۔'' وہ پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ ''آپ کو سمجھانے کے لیے تھوڑی تفصیل میں جانا ہوگا۔''

''میں سن رہا ہوں......'' میں نے سنجیدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''آپ روانی سے بولتے جائیں۔''

آئندہ آدھے گھنٹے میں علی مراد نے مجھے جو تفصیل فراہم کی، میں اس میں سے غیر ضروری باتوں کو حذف کر کے خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ آپ اس کیس کے پس منظر سے اچھی طرح آگاہ ہو جائیں۔

واضح رہے کہ ان میں سے بہت ساری باتیں مجھے بعد میں اپنی تحقیق کے دوران میں معلوم ہوئی تھیں لیکن واقعات کی ترتیب اور تسلسل کا خیال رکھتے ہوئے میں نے انہیں یہاں بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح چند باتیں میں فی الحال گول کر رہا ہوں۔ ان کا ذکر عدالتی کارروائی کے دوران میں مناسب موقع پر کیا جائے گا۔

یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اسی شام حلقہ تھانے جا کر میں نے ملزم فرقان سے بھی ایک تفصیلی ملاقات کر لی تھی۔ فرقان بھرے بھرے بدن کا مالک ایک متناسب قامت اور گندمی رنگت والا جوان تھا۔ اس کی عمر ستائیس سال رہی ہوگی۔ مجھے وہ ایک تعلیم یافتہ اور سلجھا ہوا انسان لگا۔ اس نے میری معلومات میں گراں قدر اضافہ کیا تھا۔ علی مراد کی زبانی مجھ تک جو حالات پہنچے تھے، فرقان نے ان کی کماحقہ، تصدیق بھی کی تھی۔

☆☆☆

فرقان نے کچھ عرصہ پہلے یونیورسٹی سے کامرس میں ماسٹرز کرنے کے بعد بینکنگ لائن جوائن کر لی تھی۔ اس فیلڈ میں قدم جمانے کے لیے اسے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کا باپ کفیل احمد ایک ریٹائرڈ بینکر تھا اور اس کی خواہش پر فرقان نے کامرس کا انتخاب کیا تھا۔ کفیل احمد ریٹائرمنٹ کے بعد ''شیئرز'' کی دنیا کی طرف نکل گیا تھا۔ اسٹاک مارکیٹ پر اس کی گہری نظر تھی اور وہ مختلف طریقوں سے ماہانہ اتنا کما لیتا تھا کہ گھر میں کسی مالی تنگی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔

کفیل احمد کی تین اولادیں تھیں۔ سب سے بڑا فرقان، اس سے چھوٹی انیلا جس کی شادی فرقان سے پہلے ہو گئی تھی۔ انیلا کا شوہر فرہاد بھی ایک پرائیویٹ بینک ہی میں ملازم تھا۔ انیلا اپنی سسرال میں خوش اور مطمئن تھی۔ انیلا سے چھوٹا ایک بھائی عرفان تھا جو ابھی محض تیرہ سال کا تھا اور ایک اسکول میں پڑھتا تھا۔ فرقان کی والدہ شگفتہ ناز ایک گھریلو خاتون تھی تاہم اسے گھومنے پھرنے اور ہوٹلنگ وغیرہ کا بہت شوق تھا۔ شاپنگ بھی اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ان کی رہائش بفرزون کے علاقے میں تھی۔

علی مراد کی بیوی سلمٰی کا انتقال ہو چکا تھا۔ سلمٰی طویل عرصے تک سرطان ایسے موذی مرض میں مبتلا رہنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملی تھی۔ علی مراد کی دو بیٹیاں تھیں۔ عظمٰی اور نادیہ۔ نادیہ، عظمٰی سے چند سال بڑی تھی اور اس کی شادی بھی عظمٰی سے دو سال پہلے ہو گئی تھی۔ نادیہ کی سسرال

حیدرآباد میں تھی۔ اس کا شوہر شاہد خٹک پرانی گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا تھا اور اس نے ادھر حیدرآباد، ہی میں اپنا ایک شوروم بھی بنا رکھا تھا۔

جیسا کہ ابتدا میں بتایا جا چکا ہے کہ علی مراد، کی صدر کی الیکٹرونکس مارکیٹ میں ٹی وی کی دکان تھی۔ اس کی رہائش بہادرآباد کے علاقے میں تھی۔ اس کی دکان میں عموماً نئے ٹی وی فروخت کیے جاتے تھے تاہم وہ چلتے ہوئے پرانی ٹی وی کے بدلے میں مزید رقم لے کر نیا ٹی وی بھی دے دیا کرتا تھا۔ پرانے ٹی وی کو وہ دوسری مارکیٹ میں فروخت کر دیتا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے بڑی ٹھیک ٹھاک سیٹنگ بنا رکھی تھی۔

عظمٰی اور فرقان کی پہلی ملاقات عظمٰی کے گھر ہی میں ہوئی تھی اور پہلی نظر ہی میں دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کر لیا تھا۔ دراصل فرقان اور نادیہ یونیورسٹی میں کلاس فیلو تھے لہٰذا نادیہ کی شادی میں فرقان بھی مدعو تھا۔ نادیہ کی مایوں اور مہندی میں بھی وہ گیا تھا اور جبھی اس کی عظمٰی سے ملاقات ہوئی تھی۔

نادیہ تو بیاہ کر حیدرآباد چلی گئی لیکن عظمٰی اور فرقان کی پہلی ملاقات آخری ثابت نہ ہوئی بلکہ اس کے بعد تو ان کے درمیان ملاقاتوں کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ نادیہ نے اس معاملے میں دونوں سے حتی الامکان تعاون کیا اور ان کی محبت شادی کے بندھن کی جانب بڑھنے لگی۔ نادیہ نے علی مراد کو اعتماد میں لے کر سب کچھ بتا دیا تھا۔ علی مراد کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ فرقان اس کا دیکھا بھالا تھا اور وہ بھی اس کو پسند کرتا تھا۔ فرقان کے مزاج اور اخلاقیات نے علی مراد کو متاثر کیا تھا۔ پھر وہ تعلیم یافتہ تھا اور اس کے سامنے روشن مستقبل بھی نظر آرہا تھا۔ ایک آئیڈیل داماد اور آئیڈیل شوہر کی تمام تر خوبیاں فرقان میں موجود تھیں لہٰذا علی مراد اس رشتے سے انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔

انکار تو فرقان کے گھر کی طرف سے تھا۔ فرقان کی والدہ شگفتہ اپنی بہن کی بیٹی غزالہ سے اس کی شادی کرنا چاہتی تھی۔ غزالہ میڈیکل کے فائنل ایئر میں تھی لیکن فرقان، غزالہ کو پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ ہر صورت اور ہر قیمت پر عظمٰی ہی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ یہ تنازعہ اس قدر بڑھا کہ فرقان نے دوٹوک انداز میں اپنے والدین سے کہہ دیا۔

''میں شادی کروں گا تو عظمٰی سے ورنہ کسی سے بھی نہیں!''

''اور میں تمہاری شادی کروں گی تو غزالہ سے......'' شگفتہ نے بھی فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''ورنہ کسی اور سے بھی نہیں ہونے دوں گی۔''

''یہ تو سراسر زیادتی ہے امی!'' فرقان نے جھنجلاہٹ آمیز انداز میں کہا۔ ''میں غزالہ میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ آپ خوامخواہ کیوں یہ شادی مجھ پر مسلط کرنا چاہتی ہیں......؟''

''میں اپنی بہن کو اس رشتے کے لیے زبان دے چکی ہوں۔'' شگفتہ نے حتمی لہجے میں کہا۔ ''جیسے ہی غزالہ کی تعلیم مکمل ہوگی، میں تمہاری شادی کی تاریخ پکی کر دوں گی۔''

''ایسا کچھ نہیں ہونے والا امی!'' فرقان بھی ضدی لہجے میں بولا۔ ''آپ کو اپنی بہن کا بڑا خیال ہے، ہمارے جذبات کا کوئی احساس نہیں؟''

اس دوران میں کفیل احمد خاموش بیٹھا بڑی سنجیدگی سے ماں بیٹے کی باہمی تکرار کو سماعت کر رہا تھا۔ ابھی تک اس نے ایک بار بھی مداخلت کی کوشش نہیں کی تھی۔ شگفتہ نے سٹپٹائے ہوئے انداز میں بیٹے سے سوال کیا۔

''فرقان! تم کس کے جذبات کی بات کر رہے ہو......؟''

''اپنے اور عظمٰی کے......'' فرقان نے کہا۔ ''اور کس کے جذبات......!''

''اچھا......تو وہ لڑکی جمعہ جمعہ آٹھ دن میں، تمہاری زندگی میں مجھ سے بھی زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے۔'' شگفتہ نے خفگی بھرے انداز میں کہا۔ ''اور میں نے جو تمہیں جنم دیا......اور پال پوس کر اتنا بڑا کیا......میرا تم پر کوئی حق ہی نہیں رہا......؟''

''ایسی کوئی بات نہیں امی!'' فرقان نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''آپ کا حق اور اہمیت اپنی جگہ قائم و دائم ہے۔ آپ الٹی سیدھی باتوں کو ذہن میں جگہ نہ دیں۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ غزالہ مجھے پسند نہیں اس لیے میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔''

''جب غزالہ مجھے پسند ہے تو تمہیں اسی سے شادی کرنا ہوگی۔'' شگفتہ کے فیصلے سے ہٹ دھرمی جھلکتی تھی۔

''فرقان!'' کفیل احمد نے لب کشائی کی۔ ''تمہاری ماں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ میں اس حقیقت سے واقف ہوں کہ اس نے غزالہ کی ماں کو اس رشتے کے لیے زبان دے رکھی ہے اور پھر......'' لمحاتی توقف کر کے اس نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''جہاں تم شادی کے لیے بہ ضد ہو وہ لوگ دوسری کمیونٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارا کلچر اور خاندان ان سے بالکل الگ ہے۔''

''کلچر، خاندان، کمیونٹی......'' فرقان نے بیزاری سے کہا۔ ''آپ لوگ بھی پتا نہیں، کن فضول باتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں

اور عظمیٰ کا تعلق بھی ایک مسلم فیملی سے ہے، ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ عظمیٰ کے گھر والوں کو اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں۔ آپ لوگ بھی معقولیت کا مظاہرہ کریں۔ میں کوئی غلط کام کرنے نہیں جارہا، عظمیٰ سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور یہ میرا قانونی وشرعی حق ہے۔"

"تو اب تم ہمیں بتاؤ گے کہ معقولیت کا مظاہرہ کس طرح کیا جاتا ہے۔" کفیل احمد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "فرقان! میں ہر حال میں تمہاری ماں کا ساتھ دوں گا۔ اگر تمہیں ہماری عزت کا ذرا سا بھی خیال ہے تو تمہاری شادی وہیں ہوگی جہاں ہم چاہتے ہیں۔ اگر تم ہماری بات نہیں مانو گے تو پھر ہم تمہارے ساتھ نہیں ہیں۔"

"ساتھ نہیں ہیں...... کیا مطلب؟" فرقان نے حیرت بھری نظر سے اپنے باپ کو دیکھا۔

"مطلب یہ کہ......" شگفتہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "ہم تمہاری شادی میں شرکت نہیں کریں گے۔"

"اور اس شادی سے پہلے تمہیں یہ گھر چھوڑنا ہوگا۔" کفیل احمد نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "ہم سے ہر رشتہ ناتا توڑنا ہوگا......"

فرقان کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ اس کے سگے والدین ہیں۔ درحقیقت کفیل احمد نے ایک نفسیاتی چال چلی تھی۔ وہ فرقان کو گھر سے نکالنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس دباؤ میں آکر وہ عظمیٰ کا خیال اپنے دل سے نکال دے گا مگر فرقان پر بھی جیسے ضد سوار ہوگئی تھی۔

"ٹھیک ہے......!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں عظمیٰ سے شادی کی خاطر یہ گھر چھوڑ دوں گا۔"

کفیل اور شگفتہ کو توقع نہیں تھی کہ فرقان ایسا سنگین فیصلہ کرے گا۔ اگلے روز فرقان نے علی مراد کو صورتِ حال سے آگاہ کیا تو وہ بھی پریشان ہوگیا۔ علی مراد بیٹی کا باپ تھا۔ اسے بہت کچھ سوچنا تھا۔ وہ تو یہی چاہتا تھا کہ فرقان کے والدین اس شادی کے لیے رضامند ہوجائیں۔ اگر وہ دل سے راضی نہیں بھی ہوتے تو کم از کم اس شادی میں بھرپور شرکت کریں اور عظمیٰ رخصت ہوکر اپنی سسرال ہی میں جائے۔ بعد میں جو بھی ہوگا، دیکھا جائے گا۔

علی مراد ایک سمجھدار اور دوراندیش شخص تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد اس نے ایک ڈرامائی منصوبہ ترتیب دیا جس کی کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے فرقان کو اس کا ساتھ دینا تھا۔ یہ ایک جذباتی چال تھی جس میں ایک موقع پر فرقان کو اسپتال کی ایمرجنسی تک بھی جانا تھا۔ میں اس منصوبے کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ قصہ مختصر، فرقان نے کفیل احمد کی ہدایت کے مطابق اداکاری کی اور ان کی چال کامیاب رہی۔ فرقان کے والدین کو نہ صرف اس شادی میں شریک ہونا پڑا بلکہ عظمیٰ بیاہ کر سیدھی اپنی سسرال بھی گئی تھی۔ یہ الگ بات کہ وہ زیادہ سے زیادہ تین ماہ تک ہی وہاں ٹک سکی۔

شگفتہ نے عظمیٰ کے ہاتھوں اپنی شکست کو ایک لمحے کے لیے بھی فراموش نہیں کیا تھا۔ اس نے ٹھان لی تھی کہ وہ عظمیٰ کو ذلیل کرکے رہے گی۔ پہلے ہی دن سے ساس اور بہو کی روایتی جنگ کا آغاز ہوگیا۔ عظمیٰ چونکہ اس جنگ کی حصے دار نہیں تھی۔ لہٰذا شگفتہ کو اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے میدان خالی مل گیا۔ وہ ایسا کھل کر کھیلی کہ فرقان اور عظمیٰ کو وہ گھر چھوڑنا پڑا۔ عظمیٰ پر ہر روز ایک نیا الزام آجاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک موقع پر شگفتہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش بھی کی کہ عظمیٰ نے اسے کھانے میں زہر دے کر مارنے کی کوشش کی ہے۔ شگفتہ نے مذکورہ زہریلا کھانا بلی کے آگے ڈالا تو وہ بلی تھوڑی ہی دیر میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ یہ ایک حقیقت تھی کہ عظمیٰ نے شگفتہ کی جان لینے کی ہرگز کوشش نہیں کی تھی لیکن اس ڈرامہ باز عورت نے بڑا جاندار ناٹک کیا تھا۔

اس ناٹک کا سب سے زیادہ اثر کفیل احمد پر ہوا۔ اسے عظمیٰ سے شدید ترین نفرت ہوگئی۔ ان تین ماہ میں فرقان قدم قدم پر عظمیٰ کی حمایت کرتے کرتے تھک چکا تھا۔ اس معاملے میں جب اس نے اپنے باپ کے سامنے عظمیٰ کی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کی تو کفیل احمد نے واضح الفاظ میں کہہ دیا۔

"دیکھو فرقان! میں نے تمہاری خاطر شگفتہ کی مخالفت لے کر تمہاری شادی میں شرکت کی تھی اور آج تمہاری بیوی نے میری بیوی کو جان سے مارنے کی کوشش کی۔ جو کھانا بلی کے پیٹ میں گیا وہ اگر تمہاری ماں کھالیتی تو سوچو......!"

"ابو...... یہ عظمیٰ کے خلاف ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت کیا گیا ہے......" کفیل احمد نے درشت لہجے میں بیٹے سے استفسار کرتا رہا۔

"اس میں شک کی گنجائش کہاں ہے۔" فرقان دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا۔ "امی کی ناک میں ایسا کون سا اینٹینا لگا ہوا ہے کہ کھانے کو سونگھتے ہی انہیں پتا چل گیا کہ وہ زہریلا ہے اور یہ کہ کھانے میں زہر عظمیٰ نے ملایا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد اگر ایسا کوئی انکشاف ہوتا تو دوسری بات تھی......!"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اگر تمہاری ماں وہ زہریلا کھانا کھالیتی اور اس کے بعد شگفتہ کے ساتھ کوئی ناخوشگوار صورتِ حال پیش آتی تب تمہیں یقین آتا کہ عظمیٰ نے تمہاری

ماں کو زہر دے کر مارنے کی کوشش کی ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" فرقان نے قطعی لہجے میں کہا۔ "میرا یہ مطلب نہیں ہے۔"

"پھر کیا مطلب ہے تمہارا؟" کفیل احمد نے اکھڑے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امی نے عظمیٰ کو ذلیل کرنے کے لیے یہ ڈراما رچایا ہے۔" فرقان نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔ "زہریلے کھانے میں عظمیٰ کا کوئی کردار نہیں ہے۔"

"تو تمہارے خیال میں شگفتہ نے خود ہی کھانے میں زہر ملا کر یہ کھیل کھیلا ہے؟" کفیل احمد نے جارحانہ انداز میں پوچھا۔ "تم اپنی ماں پر شک کررہے ہو......؟"

فرقان ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "جی...... میرا یہی خیال ہے!"

"بکواس بند کرو......" کفیل احمد غصے کی شدت سے دہاڑا۔ "اور جتنی جلدی ہوسکے، اپنی بیوی کو لے کر اس گھر سے دفع ہوجاؤ۔ میں تمہیں اور تمہاری بیوی کو مزید برداشت نہیں کرسکتا۔"

"ٹھیک ہے ابو!" فرقان نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "جب آپ میں حق اور انصاف کا حوصلہ نہیں رہا اور ہر صورت میں آپ عظمیٰ ہی کو قصوروار سمجھ رہے ہیں تو ان حالات میں، میں خود بھی یہاں نہیں رہنا چاہوں گا۔ میں بہت جلد اپنی رہائش کا کہیں اور بندوبست کرلوں گا۔"

"بڑے شوق سے جاؤ اور میری ایک بات ذہن نشین کرلینا......!" کفیل احمد نے رکھائی سے کہا۔

فرقان نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "کیا اب بھی کہنے کے لیے کچھ باقی رہ گیا ہے؟"

"ہاں...... ایک بات!" کفیل احمد کی سنجیدگی میں ذرا فرق نہیں آیا تھا۔ "بہت ہی اہم بات۔"

فرقان الجھن زدہ انداز میں اپنے باپ کو دیکھتا چلا گیا لیکن مزید کوئی سوال نہ کیا۔ لمحاتی توقف کے بعد کفیل احمد نے حتمی لہجے میں کہا۔

"یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ تم میری اولاد ہو لیکن تم میرے لیے شگفتہ سے زیادہ اہم نہیں ہو۔ کبھی واپس آنے کا ارادہ ہو تو میری ایک شرط یاد رکھنا۔"

"کیسی شرط؟" فرقان کی الجھن دوچند ہوگئی۔

"اس گھر کے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے...... صرف تمہارے لیے!" کفیل احمد نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "جب دل چاہے، واپس آجانا مگر تمہارے

شوخیاں

ایک پارٹی میں بیوی اپنے شوہر سے بولی۔ "وہ آدمی دیکھو جو ڈانس کررہا ہے۔"

شوہر۔ "وہ کون ہے؟"

بیوی۔ "10 سال پہلے اس نے مجھے شادی کی آفر کی تھی مگر میں نے ریجیکٹ کردیا تھا۔"

شوہر۔ "او مائی گاڈ وہ ابھی تک خوشی میں ناچ رہا ہے؟"

❋❋❋

پولیس راہ گیر سے۔ "تلاشی دو میں اس علاقے کا S.P. ہوں۔"

راہ گیر۔ "اور میں اس علاقے کا M.P.W. ہوں۔"

پولیس مین۔ "گھبرا کر غلطی ہوگئی سر۔ ویسے یہ M.P.W. کیا ہوتا ہے؟"

راہ گیر۔ "مونگ پھلی والا۔"

❋❋❋

پولیس نے دروازے پہ دستک دی۔ ٹھک، ٹھک۔

سردار۔ "کون؟"

پولیس۔ "ہم پولیس والے ہیں دروازہ کھولو تم سے بات کرنی ہے۔"

سردار۔ "تم لوگ کتنے ہو؟"

پولیس۔ "3"

سردار۔ "تو آپس میں باتیں کرلوناں۔"

❋❋❋

شوہر نے بیوی کو میسج کیا۔ "میں رات کو لیٹ ہوجاؤں گا، میرے آنے سے پہلے میری فیورٹ ڈش بنالینا۔"

پھر دوسرا میسج کیا۔ "میری سیلری زیادہ ہوگئی ہے اگلے مہینے تمہیں سونے کی انگوٹھی لے کردوں گا۔"

بیوی نے ریپلائے کیا۔ "او مائی گاڈ، سچی؟"

شوہر۔ "نہیں چیک کررہا تھا تمہیں میرا پہلا میسج ملا یا نہیں۔"

مرسلہ: رضوان تنولی کریڈوی
اورنگی ٹاؤن، کراچی

ساتھ عظمیٰ کو قطعاً برداشت نہیں کیا جائے گا۔ تم اسے اپنی زندگی سے نکالنے کے بعد ہی ادھر کا رخ کرسکتے ہو۔"

"میں عظمیٰ کو اپنی زندگی سے نکال دوں......" فرقان نے نفی میں گردن ہلائی۔ "یہ کسی قیمت پر نہیں ہوسکتا۔"

"بس تو پھر آج کے بعد تم ہمارے لیے اور ہم تمہارے لیے مرگئے۔" کفیل احمد نے سفاکی سے کہا۔ "اب تم جانو اور تمہاری بیوی......"

اس کے بعد کچھ کہنے سننے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ اس موقع پر شگفتہ نے بہت واویلا مچایا تھا۔ وہ بار بار ایک ہی بات کو دہرائے جارہی تھی کہ عظمیٰ اور اس کے گھر والوں نے کسی سے گنڈا عمل کرا کے فرقان کا دل و دماغ اپنی مٹھی میں کر رکھا ہے۔ وہ جورو کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔ وہ والدین کی محبت، محنت اور قربانیوں کو بھول گیا ہے۔ میں بھی روزِ محشر اسے دودھ نہیں بخشوں گی وغیرہ وغیرہ......!

آیندہ روز فرقان اپنی بیوی کو لے کر علی مراد کے پاس پہنچ گیا اور نہایت ہی جامع الفاظ میں اسے تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے بعد گہری سنجیدگی سے کہا۔ "انکل! میں چند روز کے لیے عظمیٰ کے ساتھ آپ کے گھر میں رہنا چاہتا ہوں۔ بہت جلد میں کرایے کے گھر کا بندوبست کرلوں گا۔"

مکمل طور پر نہ سہی لیکن علی مراد بڑی حد تک فرقان اور عظمیٰ کے حالات سے واقف تھا۔ اس نے اپنایت بھرے لہجے میں کہا۔

"چند دن کے لیے کیوں بیٹا۔ تم چاہو تو مستقل اس گھر میں رہائش اختیار کرسکتے ہو۔"

فرقان نے متذبذب انداز میں اپنے سسر کو دیکھا۔

"میں یہ پیشکش رسماً نہیں کررہا ہوں۔" علی مراد نے بہ دستور گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اللہ نے مجھے دو بیٹیاں دے کر زندگی کے ساتھی کو واپس اپنے پاس بلالیا ہے۔ میری دونوں بیٹیاں اپنے گھروں کی ہوچکی ہیں۔ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ میں اس گھر میں تنہائی کی زندگی گزار رہا ہوں۔ اگر تم لوگ مستقل یہاں آکر رہنے لگو گے تو میری تنہائی دور ہوجائے گی اور تم لوگوں کی رہائش کا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔"

"انکل! میں آپ کے خلوص اور محبت کی دل سے قدر کرتا ہوں۔" فرقان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ کی یہ پیشکش سمجھیں ادھار رہی۔ فی الحال آپ ہمیں چند روز قیام کی اجازت دے دیں۔ اگر کبھی مستقل رہائش کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں آپ کو ضرور زحمت دوں گا۔"

"پیشکش ادھار رہی...... میں کچھ سمجھا نہیں بیٹا؟" علی مراد نے سوالیہ نظر سے فرقان کی طرف دیکھا۔

جواب میں فرقان نے ان نکات کی وضاحت کردی جن کی بنا پر وہ فی الحال اپنی سسرال میں مستقلاً ڈیرا ڈال کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ فرقان کے والدین حتیٰ کہ بہن بھائی کا بھی یہی خیال تھا کہ عظمیٰ اور اس کے گھر والوں نے فرقان پر عمل کرا رکھا ہے۔ وہ لوگ اسے اپنے والدین اور گھر کے دیگر افراد سے متنفر کرکے گھر داماد بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر فرقان عظمیٰ کے ساتھ مستقل طور پر علی مراد کے گھر میں ٹھہر جاتا تو اس کے گھر والوں کے کہے کو سند مل جاتی۔

علی مراد نے حالات کی نزاکت کو فوراً بھانپ لیا اور فرقان کو اس کے حالات کے مطابق نقل و حرکت کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر آزاد چھوڑ دیا۔ فرقان نے عظمیٰ کو علی مراد کے گھر میں رکھا اور خود کرایے کے مکان کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہوا اور یہیں سے اس کی زندگی میں قاضی وحید کی انٹری ہوئی تھی۔

قاضی وحید جو عرفِ عام میں محض "قاضی" کے نام سے مشہور تھا، پیشے کے اعتبار سے وہ ایک پراپرٹی ڈیلر تھا۔ ناظم آباد کے علاقے میں اس کی "قاضی اسٹیٹ" کے نام سے ایک ایجنسی تھی۔ فرقان کی ڈیوٹی بینک کی جس برانچ میں تھی وہ حیدری کے علاقے میں واقع تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ کرایے کا گھر کسی ایسے علاقے میں ہونا چاہیے جہاں سے اس کی جاب زیادہ دور نہ ہو۔ وہ گھومتے پھرتے ہوئے قاضی وحید کی ایجنسی پر پہنچ گیا۔

قاضی نے اس کی ضرورت کو توجہ سے سنا اور آخر میں پُرخلوص انداز میں کہا۔ "فرقان صاحب! فی الحال میرے پاس کوئی چھوٹا فلیٹ کرایے پر اٹھانے والا تو ہے نہیں۔ سب تین یا چار بیڈ روم والے ہیں۔"

"یہ تو ہماری ضرورت سے بہت بڑے ہیں۔" فرقان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہمیں تو کم از کم اور زیادہ سے زیادہ دو کمروں والا فلیٹ چاہیے۔ ایک میاں اور ایک بیوی کی ضرورت اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے۔"

"ہوں......!" قاضی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر ٹٹولنے والی نظر سے فرقان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ اگر آپ تیار ہوجائیں تو آپ کا مسئلہ چٹکی بجاتے میں حل ہوسکتا ہے۔"

"ایسی کون سی تجویز ہے۔" فرقان نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔ "ذرا میں بھی تو سنوں......؟"

"آپ کسی کے ساتھ شیئر کرکے رہ لیں گے؟"

"مطلب یہ کہ کسی فیملی کے ساتھ مل کر۔" قاضی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "سو گز کے ایک گھر میں، آپ ہی کی طرح کی ایک مختصر سی فیملی رہ رہی ہے۔ وہ گھر ان کی ذاتی ملکیت ہے مگر ان کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ دو بیڈ روم، ایک ڈرائنگ روم اور ایک کامن روم...... یہ ہے اس گھر کی مکانیت۔ اگر آپ تیار ہوجائیں تو اس میں دونوں کا بھلا ہے۔ ان کی آمدنی کا ایک ذریعہ بن جائے گا اور آپ کو بھی تنہائی کا احساس نہیں ہوگا۔ آپ دن بھر بینک میں رہیں گے تو آپ کی وائف گھر میں بوریت محسوس نہیں کرے گی۔"

"آئیڈیا تو بہت اچھا ہے۔" فرقان نے سراہنے والے انداز کہا۔ "لیکن یہ تو پتا چلے وہ فیملی آخر ہے کون۔ اجنبی لوگوں پر آنکھیں بند کرکے بھروسا بھی تو نہیں کیا جاسکتا نا......!"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں فرقان صاحب!" قاضی نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن بھروسے اور سیکورٹی کے حوالے سے آپ بالکل بے فکر ہوجائیں۔ وہ لوگ میرے دیکھے بھالے ہوئے...... بلکہ فرقان صاحب! آپ پہلی ہی ملاقات میں مجھے اتنے زیادہ پسند آگئے ہیں کہ میں آپ سے صاف بات ہی کہہ دیتا ہوں۔"

اتنا بول کر قاضی رکا تو فرقان سوالیہ نظر سے اسے تکنے لگا کہ پتا نہیں، وہ کون سی "صاف بات" بتانے والا ہے۔

قاضی نے کھنکار کر گلا صاف کیا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ "وہ میری فیملی ہے یعنی...... میں اور میری بیوی نگہت!"

"اوہ......!" فرقان نے ایک گہری سانس خارج کی اور حیرت بھرے لہجے میں بولا۔ "قاضی صاحب! میرے اندازے کے مطابق آپ کی عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان ہے۔ کیا آپ نے لیٹ شادی کی ہے یا ابھی تک صاحبِ اولاد نہ ہونے کی کوئی اور وجوہات ہیں؟" لمحاتی توقف کرکے اس نے ندامت آمیز لہجے میں اضافہ کیا۔ "معاف کیجیے گا، میں نے آپ سے ایک انتہائی ذاتی نوعیت کا سوال کردیا ہے......!"

"معذرت کی ضرورت نہیں ہے فرقان صاحب!" قاضی نے اپنایت بھرے لہجے میں کہا۔ "میں آپ جیسے صاف گو لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔ آپ کے دل میں جو کچھ تھا وہ آپ نے زبان سے کہہ دیا۔ میں نے آپ کی بات کا قطعاً برا نہیں منایا......" اس نے سانس ہموار کرنے کے لیے تھوڑا توقف کیا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"جہاں تک میری عمر کا تعلق ہے تو میں آپ کے اندازے کی داد دیتا ہوں۔ میں پچاس کے قریب ہوں اور یہ کہ میری شادی لیٹ نہیں ہوئی۔ ہمارے ہاں اولاد نہیں ہوسکتی کیونکہ نگہت بانجھ ہے۔"

"اوہ......!" فرقان نے متاسفانہ انداز میں کہا۔ "آپ کے ذہن میں دوسری شادی کا خیال نہیں آیا...... اولاد کی خواہش تو سبھی کو ہوتی ہے نا؟"

"ہاں ہوتی ہے۔" قاضی نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔ "یہ خواہش میرے دل میں بھی تھی بلکہ ہم دونوں کے دل میں تھی۔ نگہت نے کئی بار مجھ سے کہا بھی کہ میں اولاد کے حصول کی خاطر دوسری شادی کرلوں لیکن میں ایسا کرنا تو دور کی بات ہے، اس کے بارے میں، میں سوچ بھی نہ سکا۔ نگہت کی محبت ہمیشہ اولاد کی خواہش پر غالب آگئی۔ اس عورت نے میرے ساتھ ازدواجی زندگی کے پچیس سال گزار دیے ہیں۔ وہ میری دکھ سکھ کی ساتھی ہے۔ میں اس پر سوتن لانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اگر وہ بانجھ ہے تو اس میں اس بے چاری کا کیا قصور ہے......!"

فرقان، قاضی وحید کی کہانی سن کر بے حد متاثر ہوا تھا۔ قاضی نے اسے یہ بھی بتایا کہ نگہت آج کل بیمار رہنے لگی ہے۔ اس کی دور کی نظر بھی خاصی کمزور ہوچکی ہے۔ چشمے کے بغیر وہ گھر کے اندر بھی چل پھر نہیں سکتی۔ جواب میں فرقان نے بھی قاضی کو اپنے تازہ ترین حالات سے تفصیلاً آگاہ کردیا، اس طویل میٹنگ کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ اگلے روز فرقان عظمیٰ کے ساتھ قاضی کے گھر میں منتقل ہوگیا۔ قاضی کا مذکورہ گھر بورڈ آفس کے نزدیک واقع تھا۔

ایک بیڈ روم فرقان اور عظمیٰ کے حوالے کردیا گیا۔ ایک بیڈ روم قاضی اور اس کی بیوی نگہت کے پاس رہا۔ ڈرائنگ روم کو وہ لوگ مشترکہ طور پر استعمال کرنے لگے۔ کچن پوری طرح عظمیٰ کے تصرف میں آگیا۔ نگہت کی طبیعت اکثر خراب ہی رہتی تھی اور وہ بہت کم کچن کا رخ کرتی تھی۔ قاضی اپنے اور اس کے لیے ہوٹل سے کھانا لایا کرتا تھا۔ عظمیٰ کے آجانے سے قاضی اور اس کی بیوی کو کھانے کی سہولت ہوگئی تھی۔

تین ماہ میں وہ لوگ آپس میں اس قدر گھل مل گئے کہ دیکھنے والا یہ کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ دو الگ الگ فیملیز ہیں۔ وہ ایک خاندان کی طرح رہ رہے تھے۔ ایک رات قاضی نے فرقان کو ایک اچھوتا اور عجیب و غریب مشورہ دیا۔

"فرقان صاحب! مجھے باخبر ذرائع سے پتا چلا ہے

کہ عنقریب پراپرٹی کی مارکیٹ بہت تیز ہونے والی ہے۔ اگر آنے والے تین ماہ میں کسی نے اپنا گھر بنالیا تو بنالیا ورنہ زندگی بھر نہیں بنا سکے گا۔"

"ہاں قاضی صاحب! میں نے بھی لوگوں کو اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔" فرقان نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ "لیکن آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں......؟"

"تمہارے تمام تر حالات سے میں پوری طرح آگاہ ہو چکا ہوں فرقان بیٹا۔" قاضی نے اپنایت بھرے لہجے میں کہا۔ "آپ اپنے گھر کی طرف واپس نہیں جا سکتے ہو کیونکہ آپ کے والدین نے واپسی کے لیے جو کڑی شرط رکھی ہے اسے پورا کرنا آپ کے بس کی بات نہیں۔ آپ ایک سمجھ دار شوہر ہیں اور اپنی بیوی سے محبت کرتے ہیں۔ والدین کو جوائن کرنے کے لیے آپ عظمیٰ کو اپنی زندگی سے نکالنے کی حماقت کبھی نہیں کر سکتے اور آپ کو کسی قیمت پر ایسا کرنا بھی نہیں چاہیے......"

قاضی سانس درست کرنے کے لیے تھما تو فرقان خاموش سوالیہ نظر سے اسے تکنے لگا۔ قاضی سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"اور آپ سسرال کی جانب سے کسی قسم کا احسان لینے کے حق میں نہیں ہیں، یہ بات بھی میں اتنے دنوں میں اچھی طرح جان گیا ہوں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا فرقان میاں؟"

"نہیں قاضی صاحب! آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔" فرقان نے گردن کو اثباتی جنبش دی "لیکن میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ اس وقت آپ نے یہ موضوع کیوں چھیڑا ہے؟"

"میری یہ خواہش ہے کہ آپ کا بھی اپنا ذاتی گھر ہو......" قاضی وحید نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ خواہش تو خود میری بھی ہے۔" فرقان نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "لیکن اس خواہش کی تکمیل اتنی آسان نہیں...... بلکہ میرے خیال میں یہ تقریباً ناممکن ہے۔"

"فرقان صاحب! اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔" قاضی نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "اگر انسان کا ارادہ مضبوط ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"لیکن قاضی صاحب......" فرقان نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ارادے کی مضبوطی اپنی جگہ مگر ذاتی گھر کے لیے جتنی رقم کی ضرورت ہوتی ہے وہ کہاں سے آئے گی؟"

"آپ کے خیال میں ایک چھوٹا سا ذاتی گھر کتنے میں مل سکتا ہے؟"

"لگ بھگ دو لاکھ روپے میں......!" فرقان نے جواب دیا۔

"اور اگر پچاس، ساٹھ ہزار روپے میں مل جائے تو......؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا قاضی صاحب!"

"سوال اور جواب کی پیدائش میں ذہن کو نہ تھکائیں فرقان صاحب!" قاضی نے اپنے سوال کو دہراتے ہوئے کہا۔ "اگر پچاس، ساٹھ ہزار روپے میں آپ کو چھوٹا سا ذاتی گھر مل جائے تو......؟"

"کیا آپ قسطوں والے کسی گھر کی بات کر رہے ہیں؟" ایک ممکنہ اندیشے نے فرقان کے سر میں انگڑائی لی۔

"نہیں......قطعاً نہیں۔" قاضی دوٹوک لہجے میں بولا۔

"میرے لیے یہ ناقابلِ یقین ہوگا۔" فرقان نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں اسے ایک معجزہ ہی سمجھوں گا۔"

"فرقان صاحب!" قاضی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اگر آپ پچاس، ساٹھ ہزار روپے خرچ کرنے کی پوزیشن میں ہیں تو آپ بھی دو کمرے کے ایک چھوٹے سے گھر کے مالک بن سکتے ہیں۔"

"اتنی رقم تو دو کمروں کی تعمیر پر ہی خرچ ہو جائے گی قاضی صاحب!" فرقان نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "آپ بھی کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔"

"بس......دو کمرے ہی تو ڈالنا ہیں......" قاضی نے سادگی سے کہا۔

یہ واقعہ آج سے لگ بھگ چالیس سال پہلے کا ہے اس لیے قیمتوں کے سلسلے میں حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس زمانے میں آج کل کی طرح مہنگائی نے آسمان کو نہیں چھو رکھا تھا۔

"میں کچھ سمجھا نہیں قاضی صاحب......؟" فرقان نے الجھے بھرے انداز میں قاضی وحید کی جانب دیکھا۔ "دو کمرے ڈالنا ہیں تو کہاں...... ہوا میں تو تعمیر نہیں ہو سکتی نا!"

"ہوا میں نہیں، تعمیر چھت پر ہوگی فرقان صاحب!" قاضی نے معنی خیز نظر سے فرقان کو دیکھا۔

"چھت پر تعمیر......" فرقان کی الجھن دوچند ہوگئی۔ "کیوں پہیلیاں بجھوا رہے ہیں قاضی صاحب......!"

"ارے، آپ میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہیں فرقان صاحب!" قاضی نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"آپ نے بات ہی ایسی کی ہے قاضی صاحب!" فرقان ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "بھلا مجھے

کون اپنی چھت پر مکان بنانے کی اجازت دے گا؟"

"میں...... اور کون!" قاضی اپنا سینہ ٹھونکتے ہوئے بولا۔ "اگر آپ رقم کا بندوبست کر لیں تو میرے مکان کی چھت حاضر ہے اور وہ بھی...... بالکل مفت!"

"یہ...... یہ آپ...... کیا کہہ رہے ہیں...... قاضی صاحب؟" فرقان بے یقینی سے اسے دیکھتا چلا گیا۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں فرقان صاحب!" قاضی نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔ "آپ میرے بیٹے کی طرح ہیں۔ اگر آپ کہیں سے پچاس، ساٹھ ہزار روپے کا انتظام کر کے میرے مکان کی چھت پر دو کمرے ڈال لیں تو آپ بھی اپنے گھر کے مالک بن جائیں گے۔ میں آپ سے زمین کی قیمت وصول نہیں کروں گا اور جہاں تک آپ والے پورشن کی ملکیت یا مالکانہ حقوق کا تعلق ہے تو......" وہ سانس لینے کے لیے رکا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"جب اوپر والے پورشن کی تعمیر مکمل ہو جائے گی اور آپ اوپر شفٹ ہو جائیں گے تو باقاعدہ کسی تجربہ کار وکیل کی مدد سے بالائی منزل کی ملکیت کے کاغذات آپ کے نام بنوا لیں گے......"

وہ بہت سے سوالات جو فرقان کے ذہن میں بالائی پورشن کی ملکیت کے حوالے سے ابھر رہے تھے ان کا جواب قاضی نے بنا پوچھے ہی دے دیا تھا لیکن پھر بھی اپنے اطمینان کی خاطر اس نے پوچھ لیا۔

"قاضی صاحب! یہ ٹھیک ہے کہ بالائی منزل کی تعمیر پر میں اپنی جیب سے خرچ کروں گا لیکن بہرحال وہ چھت تو آپ ہی کے مکان کی ہوگی نا۔ آپ اس کی قیمت کیوں نہیں وصول کریں گے؟"

"فرقان صاحب! آپ کے اس سوال کے میرے پاس دو جواب ہیں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "آپ کو جو بھی جواب پسند آئے وہ منتخب کر لیں۔"

"اور وہ دو جواب کون سے ہیں؟" فرقان ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"جواب نمبر ایک......" قاضی نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ "اگر میں یہ کہوں کہ میں آپ کو اپنے بیٹے کی جگہ اور عظمیٰ کو بہو کی جگہ سمجھتا ہوں تو پھر آپ لوگوں سے کسی نوعیت کی وصولی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر آپ لوگوں کو میرا بیٹا اور بہو بننا گوارا نہیں تو پھر، ہم آپس میں ایک ایگریمنٹ کر لیتے ہیں اور یہ ایگریمنٹ میرا دوسرا جواب ہوگا۔"

"اب ذرا اس ایگریمنٹ کی بھی وضاحت کریں۔" قاضی کی بے لوثی کو دیکھتے ہوئے فرقان کی آواز بھی جذبات سے بوجھل ہو گئی تھی۔

"دیکھو عرفان میاں!" قاضی نے اضطراری انداز میں کہا۔ "آپ نے تین ماہ میں دیکھ ہی لیا کہ آپ کی، آنٹی نگہت کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور میں بھی مزید کتنا جی لوں گا......"

"یہ آپ کس قسم کی باتیں کر رہے قاضی صاحب!" فرقان نے دزدیدہ نظر سے قاضی وحید کی جانب دیکھا۔ "اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔"

"انسان کی عمر کتنی بھی دراز کیوں نہ ہو جائے اسے ایک روز اس دنیا سے رخصت ہونا ہی پڑتا ہے۔" قاضی نے کسی مفکر کی طرح، سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں جس ایگریمنٹ کی بات کر رہا ہوں وہ ہماری زندگی سے متعلق ہے۔ اگر میں نگہت سے پہلے چل بسوں تو اس ایگریمنٹ کی رو سے میرے بعد آپ لوگ نگہت کا بھرپور خیال رکھو گے اور اگر نگہت مجھے داغِ مفارقت دے گئی تو عظمیٰ کی یہ ڈیوٹی ہوگی کہ وہ صبح شام میرے لیے کھانے کا بندوبست کرے گی اور ہاں......" اس نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا پھر اپنے بیان کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"یہ ایگریمنٹ کسی اسٹیمپ پیپر وغیرہ پر تیار نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ ہمارے بیچ ایک زبانی معاہدہ ہوگا جس کی اخلاقی پاسداری دونوں فریقوں پر لازم ہوگی۔"

"قاضی صاحب! آپ بہت ہی ذہین، سمجھ دار اور عظیم انسان ہیں۔" فرقان نے جذبات سے مغلوب آواز میں کہا۔ "آپ کی دونوں شرائط ایک دوسرے کا عکس ہیں۔ اگر ہم آپ کا بیٹا اور بہو بن جاتے ہیں تو وہ تمام تر ذمے داری ہمارے فرائض کا حصہ بن جائے گی جس کا ذکر آپ نے ایگریمنٹ والے جواب میں کیا ہے اور اگر ہم پہلی شرط کو نظر انداز کر کے ایگریمنٹ کرتے ہیں تو ہمارا عمل اس بات کو ثابت کرے گا کہ ہم نے ایک فرماں بردار بیٹے اور ایک سلیقہ شعار بہو کی طرح آپ کا خیال رکھا ہوا ہے۔"

"تو پھر کیا ارادہ ہے......؟" قاضی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میں آپ کی تجویز پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔" فرقان نے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "مگر......!"

"مگر کیا؟" فرقان نے جملہ ادھورا چھوڑا تو قاضی نے تشویش ناک انداز میں استفسار کیا۔

''میں فوری طور پر پچاس، ساٹھ ہزار روپے کا بندوبست نہیں کرسکوں گا۔'' فرقان نے اپنی مشکل کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''فرقان صاحب! آپ بینک میں ملازم ہیں۔'' قاضی نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''آپ کو تو بڑی آسانی سے قرضہ مل جائے گا۔ آپ کا بینک مشکل وقت میں کام نہیں آئے گا تو اس کا اچار ڈالنا ہے کیا......؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں قاضی صاحب! بینک سے قرضہ لینے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔'' فرقان نے اپنی الجھن کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ کام ایک ماہ کے بعد ممکن ہوسکے گا۔''

''اس کا کوئی خاص سبب؟'' قاضی وحید نے پوچھا۔

''میں نے کچھ عرصہ پہلے موٹر سائیکل کی خریداری کے لیے بینک سے قرض لیا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اس قرض کی ایک قسط باقی ہے جو اگلے ماہ جائے گی۔ وہ قرض کلیئر ہوجائے تو میں نئے قرض کے لیے درخواست دے سکوں گا۔''

''ہوں......!'' قاضی نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی اور پوچھا۔ ''قرض کی درخواست کے کتنے عرصے بعد رقم آپ کے اکاؤنٹ میں آجائے گی؟''

''قرض کی منظوری کا پراسس مکمل ہونے میں زیادہ سے زیادہ ایک ماہ لگ جائے گا۔'' فرقان نے بتایا۔

''اس کا مطلب ہے، قرض کی رقم آپ کے استعمال میں آنے میں دو ماہ لگ جائیں گے۔''

''جی اتنا عرصہ تو لگ ہی جائے گا۔'' فرقان نے کہا۔

''مگر دو ماہ کے اندر تو بلڈنگ میٹریل کے نرخ بہت اوپر چلے جائیں گے۔'' قاضی نے متفکرانہ انداز میں کہا۔ ''میں اسٹیٹ کا بزنس کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے، آنے والے دو ماہ میں سریا، سیمنٹ، ریت، بلاکس اور دیگر سامان تعمیرات کی قیمت دگنی نہیں تو ڈیڑھ گنا ضرور ہوجائے گی۔ جو کام آج پچاس، ساٹھ ہزار میں ہو رہا ہے وہ پچھتر، اسّی ہزار میں جا کر بیٹھے گا۔''

''یہ تو ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے لیے کوئی بھی کچھ نہیں کرسکتا۔'' فرقان نے سرسری انداز میں کہا۔ ''نہ تو میں دو ماہ سے پہلے قرض لے سکتا ہوں اور نہ ہی ہم بلڈنگ میٹریل کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کو کنٹرول کرسکتے ہیں۔''

''کرسکتے ہیں......'' قاضی نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہم بلڈنگ میٹریل کی قیمتوں کو کنٹرول کرسکتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' فرقان نے چونکے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

''میری دو تین بلڈنگ میٹریل اسٹور والوں سے اچھی جان پہچان ہے۔'' قاضی اپنے منصوبے کی تفصیل بیان کرنے لگا۔ ''ہم ان سے ابھی کے مارکیٹ ریٹ پر اپنی ضرورت کا سامان خرید لیتے ہیں۔ ادائی دو ماہ کے بعد کردیں گے۔''

''کیا وہ دو ماہ کے کریڈٹ پر ہمیں بلڈنگ میٹریل فراہم کرنے پر راضی ہوجائیں گے؟'' فرقان نے پوچھا۔

''سامان تو ہم اسی وقت اٹھائیں گے جب ادائی کریں گے۔'' قاضی نے کہا۔ ''ابھی تو صرف زبانی بکنگ ہوگی۔''

''بکنگ ابھی ہوگی اور وہ بھی ایک روپیہ ادا کیے بغیر......'' فرقان نے تصدیق طلب نظر سے قاضی کی طرف دیکھا ''مگر اپنی ضرورت کا سامان ہم دو ماہ کے بعد اٹھائیں گے اور وہ بھی آج کے ریٹ کے حساب سے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا......؟''

''بالکل ٹھیک۔'' قاضی نے حتمی لہجے میں کہا۔ ''میں اتنی دیر سے آپ کو یہی بات سمجھانے کی کوشش کررہا ہوں۔''

''قاضی صاحب!'' فرقان ایک آسودہ سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''اگر آپ کے تعلقات کی بنا پر یہ سہولت حاصل ہوسکتی ہے تو میری طرف سے آپ ''ڈن'' سمجھیں۔ میں دو ماہ کے بعد رقم کا بندوبست کردوں گا۔''

اس کے بعد تمام مراحل آسانی سے طے ہوگئے۔ ان دونوں کے بیچ یہ میٹنگ مارچ کے مہینے میں ہوئی تھی۔ اپریل میں فرقان کا موٹر سائیکل والا قرض کلیئر ہوا۔ مئی میں اس نے بینک سے ایک لاکھ کا لون منظور کرالیا۔ پچیس مئی کو ایک لاکھ کی رقم فرقان کے اکاؤنٹ میں جمع ہوچکی تھی۔ جون کے پہلے ہفتے میں بالائی منزل کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ دس جولائی کو یہ کام مکمل ہوا اور فرقان عظمیٰ کے ساتھ بالائی پورشن میں منتقل ہوگیا۔ اس نے بینک سے جو ایک لاکھ روپے قرض اٹھایا تھا ان میں سے دل کھول کر پچھتر ہزار بالائی منزل کی تعمیر پر خرچ ہوئے تھے اور پچیس ہزار اس نے زیریں منزل کی منتخب مینٹی نینس پر لگا دیے تھے۔ یہ قاضی کے لیے فرقان کی محبت کا اظہار تھا۔ گویا ایک لاکھ کی رقم اسی گھر کے اندر ''غائب'' ہوگئی تھی۔

فرقان اور عظمیٰ نے اس گھر کے بالائی پورشن پر جولائی، اگست بڑے امن و سکون سے گزارے تھے۔ ستمبر کا مہینا اپنے اختتام پر ستمگر کی شکل اختیار کرگیا۔ ان کی زندگی میں وہ ٹوئسٹ آیا جس کا وہ کبھی تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ وہ لوگ اچانک بیٹھے بٹھائے ایک مصیبت میں گھر گئے تھے۔

قاضی وحید جو پچھلے آٹھ نو ماہ سے ایک فرشتہ صفت انسان کے روپ میں ان کے دل و دماغ میں جگہ بنا چکا تھا، جب اس کا اصلی چہرہ ان پر عیاں ہوا تو ان کے چودہ طبق گل ہوگئے۔ قاضی کی عیاری اور مکاری کا شکار ہوکر پہلے انہیں گھر سے بے گھر ہونا پڑا اور پھر فرقان قتل کے الزام میں پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے چالان عدالت میں پیش کردیا۔ میں نے فرقان کے وکیل کی حیثیت سے اپنا وکالت نامہ اور اپنے موکل کی درخواست ضمانت دائر کردی۔ جج کرسیِ انصاف پر آکر بیٹھا تو میں نے اپنے موکل کی ضمانت کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا۔

''جنابِ عالی! میرا موکل اس معاشرے کا ایک شریف النفس اور امن پسند شہری ہے۔ اس کا ماضی بے داغ ہے۔ اسے ایک گہری سازش کے تحت قتل کے اس کیس میں پھانسنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا قصور صرف اتنا سا ہے کہ اس نے اپنی سادگی کی وجہ سے مقتولہ کے شوہر اسٹیٹ ایجنٹ قاضی وحید پر آنکھیں بند کرکے بھروسا کرلیا تھا۔''

''یور آنر!'' وکیل استغاثہ نے ملزم کی ضمانت کی مخالفت کرتے ہوئے کہا۔ ''میرے فاضل دوست ملزم کو معصوم اور سادہ لوح ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جس شخص نے کامرس میں ماسٹرز کر رکھا ہو اور ایک پرائیویٹ بینک میں ملازمت کرتا ہو۔ دن رات مالیاتی فیگرز سے اس کا واسطہ پڑتا ہو وہ اتنا سادہ اور بے وقوف نہیں ہوسکتا کہ چپ چاپ آنکھیں بند کرکے کسی کی پراپرٹی میں ایک لاکھ روپے کی انویسٹمنٹ کردے۔''

''محبت اور اخلاص کو اگر منفی انداز میں استعمال کیا جائے تو یہ میٹھی چھری اور زہر ہلاہل کی طرح کام کرتے ہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''ملزم اسی لیے فریب کھا گیا کہ اس کے مالک مکان قاضی وحید نے اسے اخلاق اور جذبات کی مار ماری تھی۔ ملزم کی جگہ کوئی اور شخص بھی ہوتا تو وہ وہی کرتا جو ملزم نے کیا۔''

''ملزم نہایت ہی عیار اور مکار شخص ہے۔'' وکیل استغاثہ نے اکیوزڈ باکس میں خاموش کھڑے فرقان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''اس نے اپنے مسائل کا رونا رو کر پہلے مقتولہ کے شوہر قاضی وحید کے دل میں جگہ بنائی پھر ایک کرایے دار کی حیثیت سے اپنی بیوی سمیت ان کے گھر میں داخل ہوگیا۔ مقتولہ ایک بیمار اور نرم دل خاتون تھی۔ ان دونوں میاں بیوی نے محبت کا ناٹک رچا کر مقتولہ اور اس کے شوہر کے دل جیت لیے۔ تین ماہ کے بعد قاضی وحید نے ان کی الگ رہائش کے لیے اپنے گھر کی چھت پر دو کمرے کا ایک پورشن تعمیر کرا دیا۔ یہ لوگ بالائی منزل پر شفٹ ہوگئے اور پھر دو ماہ بعد ہی انہوں نے اپنے منصوبے کے مطابق قاضی وحید سے مطالبہ کردیا کہ وہ اس کے گھر میں نہیں رہنا چاہتے لہٰذا قاضی صاحب انہیں ڈیڑھ لاکھ روپے ادا کردے۔ ایک لاکھ وہ جو ملزم نے بالائی منزل کی تعمیر پر خرچ کیا تھا اور پچاس ہزار روپے وہ جو پچھلے چھ ماہ میں قاضی وحید مختلف مد میں ملزم سے لیتا رہا تھا۔ جب مقتول کے شوہر نے ملزم کے مطالبے کو باطل قرار دیتے ہوئے اس پر واضح کیا کہ اس کے گھر کی تعمیر میں ملزم کا ایک پیسا بھی خرچ نہیں ہوا اور نہ ہی اس نے ملزم سے کبھی کسی مد میں کوئی رقم لی تو یہ سن کر ملزم بپھر گیا۔ ان دونوں کے بیچ شدید نوعیت کا جھگڑا ہوا اور ملزم نے قاضی وحید کو یہ دھمکی دی کہ اگر اس نے شرافت سے ملزم کو ڈیڑھ لاکھ روپے ادا نہ کیے تو پھر اسے خطرناک نتائج کے لیے تیار رہنا چاہیے......''

وہ سانس ہموار کرنے کے لیے تھما پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''پھر پندرہ اکتوبر کی شام ملزم نے اپنی سنگین دھمکی پر عمل کر دکھایا۔ وہ موقع پا کر ایسے وقت مقتولہ کے گھر میں گھسا جب اس کا شوہر وہاں موجود نہ ہو۔ ملزم نے مقتولہ کے گھر سے ایک لاکھ روپے چوری کیے اور اور مقتولہ کی مزاحمت پر اسے گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتار دیا اور جائے وقوعہ سے فرار ہوگیا۔ اس کی بدقسمتی کہ جب وہ مقتولہ کے گھر سے نکل رہا تھا تو قاضی وحید وہاں پہنچ گیا۔ ملزم قاضی کو نہیں دیکھ سکا تھا تاہم قاضی وحید اسے افراتفری کے عالم میں وہاں سے جاتے دیکھ کر چونک اٹھا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے اپنے گھر میں داخل ہوا پھر حقیقت کسی بم کے مانند اس کے سر پر پھٹی۔ اس کی بیوی بیڈ روم میں مردہ پڑی تھی۔ مقتولہ کے لباس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی مزاحمت کے نتیجے میں ملزم نے گلا گھونٹ کر اس کی جان لے لی تھی۔ بیڈ روم میں موجود وہ الماری بھی کھلی پڑی تھی جس کے ایک خفیہ خانے میں قاضی وحید نے ایک لاکھ روپے رکھے ہوئے

تھے۔ مذکورہ رقم کو غائب پا کر قاضی وحید کا دماغ گھوم گیا۔ ملزم نے من وعن اپنی خطرناک دھمکی پر عمل کر ڈالا تھا۔“

”جناب عالی!“ وکیل استغاثہ کے خاموش ہونے پر میں نے ملزم کی ضمانت کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا۔ ”وکیل سرکار حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کر رہے ہیں۔ میرا موکل نہ تو قاتل ہے اور نہ ہی اس نے مقتول کے گھر سے ایک روپیہ بھی چرایا ہے۔ مقتول کے شوہر نے ہوشیاری اور چال بازی سے ملزم کے ایک لاکھ روپے اپنے گھر کی بالائی منزل کی تعمیر پر خرچ کرائے۔ یہ رقم ملزم نے اپنے بینک سے قرض لی تھی۔ جب اس کا مقصد پورا ہو گیا تو اس نے ایک خوب صورت سازش کے تحت پہلے ملزم کو گھر چھوڑنے پر راضی کیا پھر اس سے ہمیشہ کے لیے جان چھڑانے کی غرض سے اسے اپنی بیوی کے قتل میں ملوث کر کے یہ خطرناک ڈراما رچایا ہے لہٰذا میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ میرے موکل کی درخواست ضمانت کو منظور کرتے ہوئے اس کی رہائی کے احکام صادر فرمائے جائیں۔“

”ملزم کی ضمانت پر رہائی انصاف کے اصولوں کے منافی ہوگی جناب عالی!“ وکیل استغاثہ نے ضمانت رکوانے کی کوشش جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”ملزم نے قتل اور ڈکیتی جیسے سنگین جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کا ٹرائل لازمی ہے۔“

”جناب عالی! آج عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا ہے۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”یہ کیس اتنا سیدھا اور سادا نہیں جیسا کہ استغاثہ کی رپورٹ اور چالان میں دکھایا گیا ہے۔ اس کے اندر بہت سے پیچیدہ اور نازک موڑ ہیں۔ میں مناسب وقت آنے پر ثابت کر دوں گا کہ میرے موکل کو ایک گھناؤنی سازش کے تحت اس کیس میں پھانسنے کی کوشش کی گئی ہے۔“

”یور آنر......!“ وکیل استغاثہ نے جج کی جانب دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”میں اپنے فاضل دوست کی ”مناسب وقت“ والی بات سے اتفاق کرتے ہوئے معزز عدالت سے گزارش کرتا ہوں کہ فی الحال ملزم کی درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے اسے جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل کسٹڈی میں بھیج دیا جائے۔ جب مناسب وقت آئے گا اور میرے فاضل دوست اپنے موکل کی بے گناہی ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو معزز عدالت انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے آزاد ہوگی......“

ہمارے درمیان مزید پندرہ بیس منٹ تک ضمانت کے حق اور مخالفت میں دلائل کا سلسلہ جاری رہا پھر جج نے درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے ملزم فرقان کو جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل کسٹڈی کے احکام جاری کرنے کے بعد، پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

میں عدالت کے کمرے سے باہر نکلا تو علی مراد میرے ساتھ تھا۔ ہمارے درمیان کیس کے مختلف پہلوؤں پر بات چیت جاری تھی۔ جب جیل کی وین فرقان کو لے کر عدالت کے احاطے سے نکل گئی تو میں نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑاتے ہوئے علی مراد سے پوچھا۔

”آپ کو فرقان کے گھر والوں میں سے کوئی دکھائی دے رہا ہے؟“

”نہیں بیگ صاحب!“ وہ سنجیدگی سے بولا۔ ”حالانکہ میں آج ان کی آمد کی توقع کر رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ان میں سے ضرور کوئی عدالت پہنچے گا مگر لگتا ہے...... ان کے سینے میں دل نہیں، پتھر ہیں۔“

”یہ جو بھی ہے، نہایت ہی افسوس ناک ہے۔“ میں نے تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ان لوگوں کو ایسے سفاک رویے کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

”بہر حال......“ علی مراد گردن کو نفی میں جھٹکا دیتے ہوئے بولا۔ ”مجھے اس بات کی پروا بھی نہیں کہ فرقان کے گھر والوں کو اس کا خیال آتا ہے یا نہیں۔ وہ میرا داماد ہے، میری بیٹی کا سہاگ ہے۔ میں نے ہمیشہ اسے اپنا بیٹا سمجھا ہے۔ اس کی باعزت رہائی کے لیے میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہوں۔“

”میں آپ کے جذبے کی قدر کرتا ہوں علی مراد صاحب!“ میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”فرقان خوش قسمت ہے کہ اسے آپ جیسا سسر ملا۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ کو کوئی قربانی نہیں دینا پڑے گی۔“

”آپ نے کیس تو اچھی طرح اسٹڈی کر لیا ہوگا۔“ وہ امید بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”آپ کو کیا لگتا ہے، فرقان کی رہائی کے کتنے فیصد امکانات ہیں؟“

”ایک سو ایک فیصد!“ میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ ”لیکن......!“

میں نے جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ اضطراری انداز میں بولا۔ ”لیکن کیا؟“

”لیکن یہ کہ......“ میں نے وضاحت کرتے ہوئے اسے بتایا۔ ”یہ کیس خاصا پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے۔ اسے بڑی سوجھ بوجھ اور نزاکت سے سلجھانے کی ضرورت ہے اور مجھے یقین ہے، میں یہ مشکل کام نہایت ہی آسانی سے کر لوں

گا مگر یہاں ایک اور ''لیکن'' بھی کھڑا ہے......''

علی مراد میری بات کی تہ تک پہنچتے ہوئے بولا۔ ''اب اس ''لیکن'' کی بھی وضاحت کردیں بیگ صاحب؟''

''لیکن اس سلسلے میں مجھے آپ کے بھرپور تعاون کی ضرورت ہوگی۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہوں جناب۔'' وہ پُرجوش انداز میں بولا۔

''ہم اس حقیقت سے واقف ہیں کہ فرقان نے نگہت کو قتل کیا ہے اور نہ ہی اس نے قاضی کے گھر سے ایک تنکا بھی چرایا ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ میری بات سے اتفاق کرتے ہیں نا؟''

''بالکل اتفاق کرتا ہوں جناب!'' وہ زور دے کر بولا۔ ''میں فرقان کو سو فیصد بے گناہ سمجھتا ہوں۔''

''لیکن اس وقت وہ قتل اور ڈکیتی کے کیس میں پھنسا ہوا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اور اس معاملے سے اسے اس وقت تک نجات نہیں مل سکتی جب تک وہ بالائی منزل والی تعمیر والے ایشو میں سچا اور قاضی وحید جھوٹا ثابت نہ ہوجائے۔''

''یہ کام تو آپ ہی کریں گے بیگ صاحب۔'' وہ امید بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

''یقیناً میں ہی کروں گا مگر آپ کے تعاون سے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''اس سلسلے میں، میں نے جو منصوبہ بنایا ہے اسے کامیاب کرنے کے لیے مجھے چند لوگوں کے بارے میں معلومات درکار ہوں گی اور یہ معلومات مجھے آپ فراہم کریں گے۔''

''ضرور کروں گا بیگ صاحب!'' وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ''آپ راہنمائی فرمائیں گے تو میں یہ کام بہ آسانی انجام دے لوں گا۔''

''ٹھیک ہے، آپ کل شام میں میرے آفس آجائیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں آپ کو بریف کردوں گا۔''

اس نے میری ہدایت پر عمل کرنے کا یقین دلایا اور میں اس سے مصافحہ کرکے دوسری عدالت کی جانب بڑھ گیا۔

اگلے روز وہ حسب وعدہ مجھ سے ملنے دفتر آیا۔ ہمارے درمیان لگ بھگ آدھا گھنٹا گفتگو ہوئی۔ میں نے اسے ان افراد کی فہرست فراہم کردی جن کے بارے میں مجھے معلومات درکار تھیں۔ ان میں سرفہرست مقتولہ نگہت اور اس کے شوہر قاضی وحید کا نام تھا۔ میں ان کے ماضی کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ چند ایسے افراد تھے جو قاضی وحید کو روزانہ یا اکثر دیکھا کرتے تھے اور چند ایسے افراد جو ملزم فرقان کے گہرے شناسا تھے۔ میں نے استغاثہ کے داؤ پیچ کو پچھاڑنے کے لیے جو منصوبہ بندی کی تھی اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے یہ معلومات مختلف داؤ پیچ کی حیثیت رکھتی تھیں۔

☆☆☆

آئندہ پیشی پر عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ جج نے فرد جرم پڑھ کر سنائی۔ ملزم نے صحت جرم سے انکار کردیا۔ اس کے بعد ملزم فرقان کا حلفیہ بیان ریکارڈ کیا گیا۔ ملزم کا بیان مکمل ہوا تو وکیل استغاثہ نے اسے گھیر لیا۔ لگ بھگ آدھے گھنٹے تک وہ اسے جرح کی چکی میں پیستا رہا۔ فرقان نے میری ہدایت کے عین مطابق نہایت ہی تحمل اور برداشت کے ساتھ وکیل مخالف کے سوالات کے جوابات دیے۔ اپنی باری پر میں جج کی اجازت سے اکیوزڈ باکس کے قریب پہنچا اور جرح کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''کیا یہ درست ہے کہ تم جنوری سے مارچ تین ماہ تک مقتولہ کے گھر میں کرایے دار کی حیثیت سے اسی طرح رہے تھے کہ مقتولہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ اسی گھر میں رہائش پذیر تھی؟''

''جی ہاں، آپ درست فرما رہے ہیں۔'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ''ہم چاروں افراد ایک ہی گھر میں، ایک خاندان کی طرح رہتے تھے۔''

''پھر مارچ کے بعد کیا ہوا تھا؟''

''مارچ کے مہینے میں مقتولہ کے شوہر نے مجھے مشورہ دیا کہ اگر میں کچھ رقم خرچ کرکے چھت پر دو کمرے ڈال کر ایک چھوٹا سا گھر بنوالوں تو آسانی سے بالائی منزل پر شفٹ ہوسکتا ہوں۔'' ملزم نے جواب دیا۔

''اور قاضی وحید کی یہ بات تمہاری سمجھ میں آگئی؟''

''پچھلے تین ماہ میں ہمارے درمیان محبت اور اخلاق کا جو رشتہ استوار ہوچکا تھا اس کے پیش نظر مقتولہ کے شوہر کا یہ مشورہ مجھے بھلا لگا۔'' ملزم فرقان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ ''اور میں نے بینک سے لون لے کر اس مشورے پر عمل کر ڈالا۔''

''تم نے اس مقصد کے لیے اپنے بینک سے کتنا قرض لیا تھا؟''

''ایک لاکھ روپے۔'' اس نے بتایا۔

''کیا یہ ایک لاکھ روپے گھر کی بالائی منزل کی تعمیر پر خرچ ہوگئے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں جناب۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی اور بولا۔ ''بالائی منزل کی تعمیر پر تو کم و بیش پچھتر ہزار خرچ ہوئے تھے۔ باقی کے پچیس ہزار زیریں منزل پر مختلف نوعیت کے مرمت کے کاموں پر خرچ ہوئے تھے۔''

''گویا آپ نے بینک سے جو ایک لاکھ کا قرض لیا تھا وہ تمام کا تمام قاضی وحید کی پراپرٹی کی توسیع، تزئین و آرائش کی نذر ہوگیا......؟'' میں نے تیکھے انداز میں کہا۔

''جی یہی حقیقت ہے۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''تم نے کامرس پڑھی ہے اور ایک بینکر ہو۔'' میں نے خفگی آمیز انداز میں کہا۔ ''کسی دوسرے کی پراپرٹی پر بغیر کسی لکھت پڑھت کے تم نے ایک لاکھ روپے خرچ کردیے۔ اس موقع پر تمہاری عقل کیا گھاس چرنے گئی تھی؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب!'' وہ ندامت بھرے لہجے میں بولا۔ ''میری عقل پر واقعی پردہ پڑ گیا تھا۔ قاضی وحید نے مجھے محبت اور اخلاق کی چھری سے اس طرح ذبح کر ڈالا کہ آخری لمحے تک مجھے اس فراڈ کا احساس نہ ہوسکا۔''

اس کے بعد میں نے فرقان کی زبانی مختلف سوال و جواب کے ذریعے قاضی کی چال بازیوں کی تفصیل اگلوا کر عدالت کے ریکارڈ پر محفوظ کردی اور آخر میں فرقان سے پوچھا۔

''تمہیں پہلی مرتبہ اس فراڈ کا احساس کب ہوا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''جب قاضی نے مجھ سے کہا کہ وہ مکان کو فروخت کرنا چاہتا ہے۔''

''یہ کب کی بات ہے؟''

''ستمبر کے آخر... میں اس نے مجھ سے یہ سب کہا تھا۔'' ملزم نے جواب دیا۔ ''ملزم نے مجھے بتایا کہ اس مکان کی ایک پارٹی لگ گئی ہے۔ چھ لاکھ دینے کو تیار ہے۔ پچھلے زمانے میں اس نے گھر پر دو لاکھ خرچ کیے تھے۔ بالائی منزل کی تعمیر میں کم و بیش ایک لاکھ میرے لگے تھے۔ اس نے میرے سامنے آفر رکھی کہ اگر وہ مکان چھ لاکھ میں نکل جاتا ہے تو چار لاکھ وہ رکھ لے گا اور دو لاکھ مجھے دے دے گا۔ دونوں کو لگائی ہوئی رقم پر سو فیصد منافع مل جائے گا۔''

''تو کیا تم نے قاضی وحید کی تجویز پر رضامندی ظاہر کردی تھی؟''

میں چنیدہ اور سلگتے ہوئے سوالات کے ذریعے قاضی وحید کی عیاری عدالت پر عیاں کر رہا تھا۔ جب تک قاضی کا فراڈ عدالت کے ریکارڈ پر رجسٹر نہ ہوتا، میں اپنے موکل کو بے گناہ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ فرقان نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا۔

''میرے پاس رضامندی ظاہر کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا۔'' میں نے چونک کر پوچھا۔ ''بالائی منزل کے مالکانہ حقوق تمہارے پاس تھے۔ پھر کیسی مجبوری۔ وہ تمہاری مرضی کے بغیر پورے گھر کو فروخت کرنے کے اختیارات نہیں رکھتا تھا۔''

''نہیں جناب! حقیقت اس سے قطعی مختلف تھی......!'' اس نے بتایا۔

''عدالت حقیقت جاننا چاہتی ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں نے دیکھا، جج پوری توجہ اور دلچسپی سے میرے اور ملزم کے درمیان جاری سوال و جواب کو سماعت کر رہا تھا۔ یہ میرے لیے ایک خوش آئند بات تھی۔

''حقیقت یہ ہے جناب......!'' ملزم نے معتدل انداز میں بتانا شروع کیا۔ ''بالائی منزل کی ملکیت کے حوالے سے قاضی نے مجھ سے جتنی بھی باتیں کی تھیں وہ زبانی جمع خرچ سے آگے نہیں بڑھ سکی تھیں۔ ابھی بالائی منزل کی ملکیت کے کاغذات تیار نہیں ہوئے تھے کہ قاضی نے مکان کو فروخت کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اسے روکنے کے لیے میرے پاس اختیارات نہیں تھے۔''

''اختیارات اس لیے نہیں تھے کہ تم نے اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ کر قاضی کی جھولی میں ڈال دیے تھے۔'' میں نے خفگی آمیز لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ ''قاضی کی مکان فروخت کرنے کی اسکیم کے جواب میں تم نے کیا کہا تھا؟''

''میں نے قاضی سے کہا تھا کہ اگر وہ مکان فروخت کردے گا تو انہیں فوری طور پر گھر خالی کرنا ہوگا۔ پھر میں اپنی بیوی کو لے کر کہاں جاؤں گا؟''

''اس نے کیا جواب دیا تھا؟''

''وہ بولا۔ تم چند دن کے لیے اپنی سسرال چلے جانا اور میں اپنے کسی رشتے دار کے پاس چلا جاؤں گا۔'' ملزم نے جواب دیا۔ ''پھر جب مکان کی فروخت کا پراسس مکمل ہوجائے گا تو وہ دو لاکھ مجھے دے دے گا۔ اس کے بعد میں آزاد ہوں گا کہ کہیں بھی رہوں۔ اس کے ساتھ ہی قاضی نے مجھے ایک تجویز بھی دی تھی۔''

www.paksociety.com

"کیسی تجویز؟" میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"آبجیکشن یور آنر!" وکیل استغاثہ جو کافی دیر سے خاموش کھڑا، میرے اور ملزم کے بیچ ہونے والی گفتگو کو تحمل سے سن رہا تھا، اچانک پھٹ پڑا۔

تمام حاضرین عدالت نے چونک کر وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا۔ جج نے اس سے استفسار کیا۔

"وکیل صاحب! آپ کو کس بات پر اعتراض ہے؟"

"جناب عالی!" وہ جج کے سوال کے جواب میں بولا۔ "اس وقت عدالت میں نگہت مرڈر کیس کی سماعت ہو رہی ہے اور ڈیفنس کونسلر ملزم کو کسی اور موضوع میں الجھا کر عدالت کا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں۔ انہیں غیر متعلقہ باتوں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔"

"جناب عالی!" وکیل استغاثہ کے حملے کے جواب میں، میں نے کہا۔ "میں نے اب تک اپنے موکل سے ایک بھی غیر متعلقہ اور غیر ضروری سوال نہیں کیا۔ میرے موکل کے ساتھ ایک لاکھ روپے کا فراڈ کیا گیا ہے۔ جب تک اس فراڈ کی تفصیلات معزز عدالت کے ریکارڈ پر نہیں آجاتیں، قتل کے محرکات کو نہیں جانا جاسکتا۔ میں آگے چل کر یہ ثابت کردوں گا کہ میرا موکل بے گناہ ہے اور ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اسے اس قتل کے کیس میں ملوث کیا گیا ہے۔"

"یور آنر! میرے فاضل دوست جتنی سست روی سے ملزم پر جرح کر رہے ہیں اس کو دیکھ کر تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ ملزم پر جرح مکمل کرنے میں انہیں مزید دو تین پیشیوں کی ضرورت ہوگی۔" وکیل استغاثہ نے برا سا منہ بنا کر مجھ پر چوٹ کی۔ "استغاثہ کے گواہوں کو بھی عدالت میں پیش کرنا ہے۔ اس طرح تو یہ کیس لٹکتا چلا جائے گا۔"

وکیل استغاثہ نے میری سمت جو اینٹ پھینکی تھی اس کے جواب میں ایک پتھر لڑھکانا مجھ پر واجب ہوگیا تھا۔ میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے گمبھیر انداز میں کہا۔

"جناب عالی! جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میرے موکل کے ساتھ ہونے والے جائداد فراڈ کو بے نقاب کیے بغیر نگہت مرڈر کیس کو حل کرنا ممکن نہیں لہٰذا معزز عدالت سے میری استدعا ہے کہ مجھے ملزم پر اپنی جرح مکمل کرنے کے لیے تھوڑا ٹائم دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی وکیل سرکار کو بھی اس امر کا پابند بنایا جائے کہ وہ میری جرح کے دوران میں کسی بھی قسم کی مداخلت کا خیال دل سے نکال دیں اور جہاں تک استغاثہ کے گواہوں کا تعلق ہے......" میں نے جملہ نامکمل چھوڑ کر ایک گہری سانس خارج کی پھر ڈرامائی انداز میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"اگر مجھے کھل کر بولنے کا موقع دیا گیا اور مجھے توجہ سے سننے کی کوشش کی گئی تو میں بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ استغاثہ کے گواہوں کو زحمت دینے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔"

وکیل استغاثہ نے میرے انکشاف پر حیرت بھری نظر سے پہلے مجھے اور پھر جج کو دیکھا جیسے میں نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو تاہم اس نے "آبجیکشن یور آنر" کا نعرہ لگانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

جج نے میری جانب دیکھتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کہا۔ "جرح جاری رکھی جائے۔"

"میں ایک مرتبہ پھر ملزم کی طرف متوجہ ہوگیا اور جرح کے ٹوٹے ہوئے سلسلے کو پھر سے جوڑتے ہوئے کہا۔ "تم قاضی وحید کی کسی تجویز کے بارے میں بتا رہے تھے؟"

"قاضی نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں چاہوں گا تو دوبارہ بھی ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔" ملزم فرقان نے بتایا۔ "چھ لاکھ میں کوئی بڑا گھر خرید لیا جائے گا۔"

"پھر تم نے قاضی کو کیا جواب دیا تھا؟"

"میں نے کہا تھا، بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔"

میں نے پوچھا۔ "پھر کیا ہوا تھا؟"

"پھر...... قاضی کے مشورے پر میں عظمیٰ کے ساتھ اپنی سسرال میں شفٹ ہوگیا۔" ملزم ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "قاضی نے کہا تھا کہ وہ بھی اپنے کسی رشتے دار کے یہاں چلا جائے گا مگر جب ایسا نہیں ہوا اور قاضی اپنی بیوی نگہت کے ساتھ بہ دستور اسی گھر میں جما رہا تو مجھے تشویش ہوئی۔ میں نے "قاضی اسٹیٹ" جا کر اس سے بات کی۔ اس نے ٹال مٹول کی راہ اپنائی اور "آج کل، آج کل" کرنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ اس کی نیت میں فتور آگیا ہے......"

"لیکن یہ سمجھ تمہیں بہت دیر میں آئی۔" اس نے لمحاتی توقف کیا تو میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "اس وقت تک پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا بہرحال...... یہ بتاؤ، تم نے قاضی وحید کا گھر کب چھوڑا تھا؟"

"مکان کی فروخت کا معاملہ ستمبر کے آخری دنوں میں سامنے آیا تھا۔" وہ پُراعتماد انداز میں بولا۔ "اور ہم نے اکتوبر کی ابتدائی تاریخوں میں...... بلکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے، تین اکتوبر کو شفٹنگ کی تھی۔"

"آپ لوگوں نے تین اکتوبر کو قاضی کے گھر کو خیرباد

کہہ دیا اور پھر پندرہ اکتوبر کو تمہیں قاضی کی بیوی نگہت کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا جاتا ہے۔" ملزم نے اپنی جرح کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ "تین سے پندرہ اکتوبر کے درمیان کیا ہوتا رہا؟"

"جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ہم نے قاضی کے ایما پر شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا گھر چھوڑ دیا تھا۔ تین اکتوبر سے چودہ اکتوبر تک میں ہر دوسرے تیسرے دن قاضی کی ایجنسی کے چکر کاٹتا رہا تاکہ اس سے دو لاکھ کی رقم وصول کرسکوں لیکن ہر مرتبہ وہ کوئی نیا بہانہ بنا کر کل پر ٹال دیتا تھا۔ چودہ اکتوبر کی شام میں نے اس کے ساتھ اچھی خاصی تلخ کلامی کر ڈالی حالانکہ یہ میرا مزاج نہیں ہے۔"

"عدالت جاننا چاہتی ہے کہ چودہ اکتوبر کی شام یعنی وقوعہ سے لگ بھگ چوبیس گھنٹے پہلے تمہاری اور قاضی وحید کی کس بات پر گرما گرمی ہوئی تھی؟" میں نے اس کیس کے ملزم اور اپنے موکل فرقان سے سوال کیا۔

"بات کوئی نئی نہیں تھی۔" وہ معتدل انداز میں بولا۔ "میں اس شام بھی دو لاکھ کی رقم لینے ہی اس کی ایجنسی پر پہنچا تھا۔"

"پھر وہاں کیا واقعہ پیش آیا تھا؟"

"میرے ہر روز کے تقاضے پر قاضی چڑ گیا تھا۔" ملزم نے بتایا۔ "اس نے خاصے غصے سے پوچھا کہ کیا مجھے اس پر بھروسا نہیں ہے......؟"

میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ دیا۔ "قاضی صاحب! پچھلے پندرہ بیس دن میں آپ نے جتنے بیانات بدلے ہیں ان کی روشنی میں مجھے آپ پر واقعی بالکل بھروسا نہیں ہے۔"

"کتنے افسوس کی بات ہے۔" وہ برہمی سے بولا۔ "فرقان صاحب! میں آپ کو اپنا بیٹا سمجھ رہا ہوں اور ہر موقع پر آپ کی خوشی اور فائدے کا خیال رکھا ورنہ آج کل کے غدار زمانے میں کون کسی کو چھت پر...... اپنے مکان کی چھت پر تعمیرات کی اجازت دیتا ہے۔ یہ میرا ہی جگرا اور ظرف تھا کہ میں نے چاہا کہ آپ کا بھی اپنا ذاتی گھر ہوجائے لیکن آپ نے کبھی دل سے میرے ایثار اور محبت کو محسوس کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ میں تو اب بھی آپ ہی کے فائدے کے لیے کوشاں ہوں۔ آپ نے میرے گھر میں ایک لاکھ روپے لگائے اور میں آپ کو دو لاکھ دلوانا چاہتا ہوں لیکن اگر پارٹی کی طرف سے کچھ دیر ہو رہی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے......!"

"قاضی صاحب!" میں نے اس کی جذباتی تقریر کے جواب میں سنجیدگی سے کہا۔ "آپ نے آج تک مجھ پر جتنے احسانات کیے ان کے لیے میں تہ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں۔ اب میں آپ کو مزید زحمت نہیں دینا چاہتا۔ آپ دو لاکھ کی کہانی کو ختم کردیں۔ مجھے میرے ایک لاکھ ہی لوٹا دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔"

"یعنی آپ ایک لاکھ کے منافع کو پاؤں کی ٹھوکروں میں اڑا رہے ہیں؟" اس نے سوچتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایسا ہی سمجھ لیں قاضی صاحب!" میں نے بیزاری سے کہا۔ "میں ناسمجھ اور کم عقل ہوں۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ میں الو کا پٹھا ہوں جو جانتے بوجھتے اپنا ایک لاکھ روپے کا نقصان کر رہا ہوں۔ آپ میرے ایک لاکھ واپس کردیں۔ میں منافع والے ایک لاکھ کو حسین خواب سمجھ کر بھول جاؤں گا۔"

"اوہ......!" قاضی نے میرے اس کلیئر کٹ جواب پر بڑے افسوسناک انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔ "جب آپ نے حتمی فیصلہ کرلیا ہے تو پھر میں کیا کرسکتا ہوں۔"

"آپ یہ کرسکتے ہیں کہ میرے ایک لاکھ روپے واپس کردیں۔" میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔

"اس کے لیے آپ کو ایک دن انتظار کرنا ہوگا۔" وہ پُرخیال انداز میں بولا۔ "آپ کل شام میں میرے گھر آجائیں اور اپنے ایک لاکھ روپے مجھ سے لے جائیں۔"

"جب دینا ہی ہیں تو کل شام کیوں۔" میں نے اس کی نیت کو شک کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ ابھی ادائیگی کرکے اس باب کو بند کردیں۔"

"اگر اس وقت رقم میرے پاس موجود ہوتی تو میں ابھی نکال کر آپ کو دے دیتا۔" وہ خفگی آمیز انداز میں بولا۔ "کل دن میں کسی وقت پارٹی مجھے ایک لاکھ روپے ادا کرے گی اور مکان کا سیل ایگریمنٹ بنے گا۔ آپ کل شام میں میرے گھر آکر ایک لاکھ روپے لے جائیں۔"

قاضی نے مکان کے سیل ایگریمنٹ کا ذکر کرکے ایک بار پھر مجھے لالچ میں لانے کی کوشش کی تھی لیکن میں اب اس کے کسی فریب میں آنے والا نہیں تھا لہٰذا میں اپنے موقف پر ڈٹا رہا اور مضبوط لہجے میں پوچھا۔

"قاضی صاحب! میں کل شام میں کتنے بجے آپ کے پاس حاضر ہوجاؤں؟"

"ٹھیک آٹھ بجے!" وہ قطعی لہجے میں بولا۔

"لیکن یہ تو آپ کا ایجنسی کا وقت ہے۔" میں نے متذبذب نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا آپ کل شام آٹھ بجے مجھے اپنے گھر پر مل سکیں گے؟"

"جب کہہ دیا ملوں گا تو ملوں گا۔" وہ رکھائی سے بولا۔ "آپ خوامخواہ وکیلوں کی طرح مجھ سے جرح نہ کریں۔"

میں اس کی ایجنسی سے اٹھا اور اپنی سسرال چلا گیا۔

ملزم نے دکھ بھری مگر دلچسپ کہانی کو ایک کنارے تک پہنچایا تو میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "پھر پندرہ اکتوبر کی شام ٹھیک آٹھ بجے جب تم قاضی وحید کے گھر پہنچے تو کیا اس نے تمہیں ایک لاکھ روپے ادا کردیے تھے؟"

"نہیں جناب!" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "پیسے تو اس وقت ملتے جب قاضی ہاتھ لگتا......!"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں نے خاصی تیز آواز میں استفسار کیا۔

"جناب! پندرہ اکتوبر کی شام جب میں ٹھیک آٹھ بجے قاضی کے گھر پہنچا تو وہ مجھے ملا نہیں۔" ملزم نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔ "میں نے تین چار مرتبہ اطلاعی گھنٹی بجائی لیکن کوئی دروازہ کھولنے نہیں آیا۔ میں نے دروازے پر دستک بھی دی اور دو چار بار قاضی کو پکارا بھی مگر اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے دروازے سے کان لگا کر اندرونی نقل و حرکت کو محسوس کرنے کی بھی کوشش کی لیکن اندر کی خاموشی اور سناٹا یہی بتا رہا تھا کہ وہاں کوئی ذی روح موجود نہیں۔ مایوس ہوکر میں وہاں سے واپس آگیا۔"

"جب تم قاضی کے گھر کی گھنٹی بجا رہے تھے یا دروازے پر دستک دے رہے تھے یا جب تم نے قاضی کو پکار کر دروازے تک لانے کی کوشش کی تو کسی نے تمہیں یہ کام کرتے ہوئے دیکھا تھا؟" میں نے پوچھا۔ "یا واپسی پر تمہاری کسی سے بات ہوئی تھی؟"

"نہیں جناب! میری کسی سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "اور جہاں تک کسی کے دیکھنے کا تعلق ہے تو یہ ممکن نہیں۔ قاضی کے گھر کا دروازہ ایسے زاویے پر پڑتا ہے کہ گلی میں گزرنے والوں کی نظر سے محفوظ رہتا ہے۔ سمجھیں کہ ایک اوٹ سی بنی ہوئی ہے۔"

"اوکے......" میں نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔ "قاضی کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد تم اپنی سسرال چلے گئے تھے؟"

"سسرال تو چلا گیا تھا مگر قاضی کی ایجنسی کو چیک کرنے کے بعد" اس نے جواب دیا۔ ایجنسی پر تالا پڑا دیکھ کر میری مایوسی اور گہری ہوگئی تھی۔ راستے بھر میں یہی سوچتا رہا کہ یہ دونوں میاں بیوی اچانک کہاں غائب ہوگئے ہیں لیکن میرا ذہن اس سوال کا جواب تلاش نہ کرسکا۔ میں نے گھر پہنچ کر عظمیٰ کو صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ بھی پریشان ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد انکل علی مراد گھر آئے تو یہ معاملہ میں نے من وعن ان کے بھی گوش گزار کردیا۔ انہوں نے پوری توجہ اور سنجیدگی سے میری بات سنی اور میرے خاموش ہونے پر کہا...... مجھے قاضی کے خلاف پہلی فرصت میں تھانے جاکر فراڈ کی رپورٹ درج کرادینا چاہیے۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ صبح میرے ساتھ تھانے جائیں گے مگر صبح سے پہلے ہی یعنی پندرہ اکتوبر کی رات گیارہ بجے مجھے نگہت کے قتل اور ایک لاکھ روپے کی چوری کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔"

میں نے ملزم کو فارغ کیا اور روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔ "مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی......!"

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہوگیا جج نے دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کردیا۔

"دی کورٹ از ایڈ جارنڈ......!"

☆☆☆

آئندہ دو ماہ میں تین پیشیاں ہوئیں اور ان میں استغاثہ کی طرف سے پانچ گواہوں کو عدالت میں پیش کیا گیا جن کا تعلق اسی علاقے سے تھا جہاں قاضی وحید کا گھر واقع تھا۔ ان گواہوں پر میں نے خاطر خواہ جرح نہیں کی اور ان کے بیانات میں بھی ایسی کوئی خاص بات موجود نہیں تھی کہ جس کے لیے سسپنس ڈائجسٹ کے قیمتی صفحات کو قربان کیا جائے۔ مختصراً آپ اتنا جان لیں کہ استغاثہ نے ان گواہوں کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ انہوں نے وقوعہ کی شام ملزم کو قاضی کے گھر کے آس پاس دیکھا تھا۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ جس سے میرا موکل بھی انکاری نہیں تھا۔

آئندہ پیشی سے پہلے ملزم کے سسر علی مراد نے مجھ سے دو ملاقاتیں کیں۔ اس سے قبل بھی وہ گاہے بہ گاہے مجھ سے ملتا رہتا تھا۔ میں نے اس کے ذمے جو کام لگایا تھا وہ اس نے مرحلہ وار مکمل کردیا تھا جس کی بنا پر، زیر سماعت کیس پر میری گرفت اور بھی مضبوط ہوگئی تھی۔

اسی دوران میں ایک بار علی مراد اپنے حیدرآباد والے داماد کے ساتھ بھی میرے دفتر آیا تھا۔ نادیہ کا شوہر اور علی مراد کا بڑا داماد شاہد خٹک حیدرآباد میں کاروں کی

خرید و فروخت کا کام کرتا تھا۔ وہ خاصا دبنگ آدمی تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

"وکیل صاحب! فرقان کو ہر قیمت پر باعزت بری ہونا چاہیے۔ اس کام کے لیے جتنا بھی پیسا خرچ ہو، پروا نہیں ہے۔"

"خان صاحب! آپ بالکل مطمئن رہیں۔" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "آپ کا ہم زلف انشا اللہ! بہت جلد آزاد فضا میں سانس لے رہا ہوگا۔"

"وکالت آپ کا شعبہ ہے......!" وہ معنی خیز نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ کام آپ کریں۔ دوسرا کام میں خود کرلوں گا۔"

"دوسرا کام......!" میں نے الجھن زدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ "کون سا دوسرا کام خان صاحب؟"

"قاضی سے اپنی رقم کی وصولی کا کام۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "میں اس سے ایک نہیں، پورے دو لاکھ نکلواؤں گا اور...... وہ بھی اپنے طریقے سے وکیل صاحب!"

وہ خاصے خطرناک عزائم کا اظہار کر رہا تھا۔ میں نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھ لیا۔ "خان صاحب! آپ کا اپنا طریقہ کون سا ہے؟"

شاہد خٹک، فرقان کی بہ نسبت خاصا تیز طرار، پُرجوش اور چلتا پرزہ قسم کا شخص ثابت ہو رہا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے بڑے فخر سے بتایا۔

"وکیل صاحب! میرے جاننے والوں میں بڑے کام کے لوگ ہیں۔ قاضی کو پتا بھی نہیں چلے گا اور میرے آدمی اسے علاقہ غیر میں پہنچا دیں گے۔ دو لاکھ کیا، یہ چار لاکھ دے کر اور قدموں میں گر کر جان چھڑائے گا۔"

"اتنی زیادہ مہم جوئی اور تکلیف کی ضرورت نہیں ہے خان صاحب!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں اس کیس کو کچھ ایسے انداز میں لے کر چل رہا ہوں کہ فرقان کی بے گناہی ثابت ہونے کے ساتھ ہی قاضی کا فراڈ بھی کھل کر سامنے آجائے تاکہ باعزت رہائی کے ساتھ ہی اس کی ایک لاکھ کی رقم بھی واپس مل جائے۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔" وہ قدرے مطمئن ہوتے ہوئے بولا۔ "اگر آپ اس معاملے کو عدالت میں نمٹا سکتے ہیں تو بڑی اچھی بات ہے ورنہ آپ مجھے اشارہ کردیجیے گا۔ میں سنبھال لوں گا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔" میں نے پُریقین لہجے میں کہا۔ "آپ کو کسی قسم کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی اور......" میں نے لمحاتی توقف کرکے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور جب تک میں آپ کو کسی قسم کا اشارہ نہ دوں، آپ کوئی بھی اچھا یا برا قدم نہیں اٹھائیں گے۔ یہ بات میں اس لیے بھی کہہ رہا ہوں کہ آپ کی کوئی بھی حرکت اس کیس کو خراب کردے گی۔"

"ٹھیک ہے وکیل صاحب! آپ کا جو حکم ہوگا، میں ویسا ہی کروں گا۔ میں کوئی پاگل تو نہیں کہ آپ کا کیس خراب کردوں......"

میں نے دل ہی دل میں کہا۔ "شاہد خٹک! تمہارے عزائم تو پاگلوں والے ہی ہیں......" پھر زبان سے کہا۔ "بہت شکریہ خان صاحب۔"

تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں رخصت ہوگئے۔

☆☆☆

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں اس کیس کا مدعی یعنی قاضی وحید استغاثہ کے سب سے اہم گواہ کی حیثیت سے کھڑا تھا۔ اس نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرادیا۔ یہ کم و بیش وہی بیان تھا جو وہ اس سے پہلے پولیس کو بھی دے چکا تھا۔ استغاثہ کی عمارت اسی بیان کے مندرجات پر کھڑی تھی۔

سردار پارٹی میں گیا اور لڑکی سے کہا۔ "آپ ڈانس کریں گی؟"

لڑکی کھڑی ہوکر۔ "جی ہاں۔"

سردار۔ "تو باجی پھر یہ کرسی میں لے لوں؟"

❋❋❋

بیوی۔ "کیا کر رہے ہو؟"

شوہر۔ "مکھیاں مار رہا ہوں۔"

بیوی۔ "کتنی ماری؟"

شوہر۔ "3 مادہ، 2 نر۔"

بیوی۔ "تمہیں کیسے پتا چلا میل اور فیمیل کا؟"

شوہر۔ "3 شیشے کے سامنے بیٹھی تھیں اور 2 گولڈ لیف کے پیکٹ پہ۔"

مرسلہ: رضوان تنولی کریڑوی
اورنگی ٹاؤن، کراچی

بیان ریکارڈ ہو چکا تو وکیل استغاثہ اپنا فرض نبھانے کے لیے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔ اس نے اپنی جرح کا آغاز کرتے ہوئے سوال کیا۔

''قاضی صاحب! آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہیں گے؟'' بات ختم کرتے ہی اس نے اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم کی جانب اشارہ بھی کر دیا۔

''خودغرض، احسان فراموش، کم ظرف......'' قاضی نے نفرت انگیز نگاہ سے ملزم کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''اور خونی......میری بیوی کا قاتل!''

''قاضی صاحب!'' وکیل استغاثہ نے بڑی چالاکی سے جرح کو ایک خاص ڈگر پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ ''ملزم کا بیان بلکہ دعویٰ ہے کہ اس نے آپ کے گھر کی بالائی منزل کی تعمیر پر لگ بھگ ایک لاکھ روپے خرچ کیے جو اس نے اپنے بینک سے قرض لیے تھے۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہیں گے؟''

''یہ بات درست ہے کہ ملزم نے اپنے بینک سے ایک لاکھ کا لون لیا تھا۔'' وہ ناپسندیدہ نظر سے فرقان کو گھورتے ہوئے بولا۔ ''مگر اس نے اس رقم میں سے ایک روپیہ بھی میرے گھر کی تعمیر پر خرچ نہیں کیا۔ گھر کی بالائی منزل اور دیگر چھوٹی موٹی مرمت کا کام میں نے اپنی جیب سے کرایا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے، اس حوالے سے ملزم نے صریحاً غلط بیانی سے کام لیا ہے؟'' وکیل استغاثہ کے استفسار میں ایک خاص نوعیت کی کاٹ پائی جاتی تھی۔

''یہ شخص ایک نمبر کا جھوٹا ہے۔'' قاضی نے بہ آوازِ بلند کہا۔

''کیا آپ ملزم کے جھوٹ کو ثابت کر سکتے ہیں؟''

''میرے پاس جو بھی ثبوت تھے وہ میں آپ کو فراہم کر چکا ہوں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''آپ میری بیوی کے قاتل کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کیس کی پیروی کر رہے ہیں۔ ان ثبوتوں کو کس طرح کام میں لانا ہے، یہ تو آپ ہی کو پتا ہوگا......''

قاضی وحید نے بڑی خوب صورتی کے ساتھ بال کو وکیل استغاثہ کی کورٹ میں پھینک دیا تھا اور میں بہ خوبی سمجھ رہا تھا کہ یہ ان دونوں کی ملی بھگت کا نتیجہ تھا۔ وکیل استغاثہ نے دانستہ ایسے زاویے سے جرح کا آغاز کیا تھا کہ جس پر ملزم کو بڑی سہولت کے ساتھ چت کیا جا سکتا تھا لیکن مجھے وکیل استغاثہ یا قاضی وحید کے طریقہ واردات سے قطعاً کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ان کے زہر کا توڑ کرنے کے لیے میرے پاس بڑا موثر قسم کا تریاق موجود تھا۔

وکیل استغاثہ نے اپنی فائلوں میں سے چند کاغذات نکالے اور جج کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ ''یور آنر! قاضی وحید نے اپنے گھر کے بالائی حصے کی تعمیر کا کام مارچ کے مہینے میں شروع کر دیا تھا تاہم یہ کام جون کے مہینے میں جا کر مکمل ہوا۔ اس سلسلے میں قاضی وحید نے سریا، سیمنٹ، ریت، بلاکس اور دیگر تعمیراتی سامان مارچ ہی میں خرید لیا تھا۔ یہ ساری رسیدیں بلڈنگ میٹریل کی خریداری کے حوالے سے ہیں اور قاضی وحید کے نام پر کاٹی گئی ہیں......'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یور آنر! انہی کاغذات میں ملزم کے بینک ریکارڈ کے حوالے سے بھی چند اہم دستاویزات کی نقول شامل ہیں جو ایک لاکھ بینک لون سے متعلق ہیں۔ مذکورہ بینک نے ان امور کی باقاعدہ تصدیق بھی کی ہے......'' اتنا کہہ کر وکیل استغاثہ نے وہ تمام کاغذات جج کی جانب بڑھا دیے۔

جج نے مذکورہ کاغذات کو اپنے سامنے میز پر پھیلا کر چند لمحات تک ان کا باریک بینی سے جائزہ لیا پھر اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے سوالیہ نظر سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا۔

وکیل استغاثہ اپنے دلائل کو دراز کرتے ہوئے بولا۔ ''جناب عالی! ملزم چار مئی کو ایک لاکھ کے بینک لون کے لیے اپلائی کرتا ہے۔ یہ لون اپروو ہونے میں کم و بیش دو ہفتے لگ جاتے ہیں۔ بینک ریکارڈ کے مطابق لون کی رقم یعنی ایک لاکھ روپے پچیس مئی کو ملزم کے اکاؤنٹ میں منتقل ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ پچیس مئی سے پہلے ملزم لون کی رقم کا ایک روپیہ بھی کسی قسم کے تعمیراتی کام پر خرچ کرنے کا مجاز نہیں تھا جبکہ قاضی وحید تعمیر کے حوالے سے تمام تر خریداری مارچ اور اپریل میں مکمل کر چکا تھا۔ تمام رسیدیں اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں......'' وہ ایک مرتبہ پھر تھما پھر ڈرامائی انداز میں اپنی بات پوری کرتے ہوئے بولا۔

''ملزم نے ایک لاکھ روپے کہاں خرچ کیے ہوں گے یہ بات خدا کو معلوم ہے یا پھر ملزم خود جانتا ہوگا مگر تمام تر حالات و واقعات اور ثبوتوں کی روشنی میں یہ واضح ہو چکا تھا کہ ملزم نے قاضی وحید کے گھر پر ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کیا لہٰذا اس کا دعویٰ جھوٹا اور مبنی بر سازش ہے......دیٹس آل یور آنر۔''

میں زیر لب مسکراتے ہوئے بڑی توجہ اور دلچسپی سے وکیل استغاثہ کی کارکردگی کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ جج نے وکیل

استغاثہ سے کہا۔

''وکیل صاحب! پلیز پروسیڈ......!''

وکیل استغاثہ دوبارہ اپنے گواہ قاضی وحید کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ''قاضی صاحب! ملزم کا دعویٰ ہے کہ وقوعہ سے ایک دن پہلے یعنی چودہ اکتوبر کی شام آپ کی ایجنسی پر اس سے ملاقات ہوئی تھی اور آپ نے پندرہ اکتوبر کی شام آٹھ بجے اسے اپنے گھر بلایا تھا اور یقین دلایا تھا کہ آپ اسے ایک لاکھ روپے ادا کریں گے۔ یہ کیا قصہ ہے؟''

''آپ نے خود ہی اسے ''قصے'' کا نام دے کر میری مشکل آسان کردی ہے وکیل صاحب'' وہ مکارانہ مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجاتے ہوئے بولا۔ ''یہ کہانی سراسر جھوٹ پر مبنی اور ملزم کے ذہن کی اختراع ہے۔ یہ اکثر میری ایجنسی پر چکر لگاتا تھا تاکہ میں اسے کرائے کا کوئی گھر دلا دوں۔ یہ جب میرے گھر میں کرائے دار کی حیثیت سے رہتا تھا تو بہت خوش تھا کیونکہ یہاں سے اسے بینک آنے جانے میں بڑی آسانی تھی۔ وہ اب بھی اسی علاقے میں کرائے کا کوئی گھر تلاش کر رہا تھا۔ ہمارے درمیان کبھی پیسے کا لین دین نہیں رہا لہٰذا اسے ایک لاکھ روپے دینے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ......'' اس نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا پھر سنسنی خیز لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''البتہ...... چودہ اکتوبر کی شام جب ملزم میری ایجنسی پر آیا بیٹھا تھا تو میں نے ایک لاکھ روپے کا ذکر ضرور کیا تھا۔ میں نے ملزم کو بتایا تھا کہ پارٹی نے ایک لاکھ روپے کی پیمنٹ کر کے سیل ایگریمنٹ بنوالیا ہے جس کے مطابق پارٹی ایک ماہ کے اندر باقی کے پانچ لاکھ ادا کر کے گھر کا قبضہ لے لے گی۔ اس دوران میں جائیداد کی منتقلی کی دستاویزات بھی تیار ہو جائیں گی۔''

''یعنی آپ نے ملزم کو یہ بتا دیا تھا کہ آپ کے گھر میں ایک لاکھ کی رقم رکھی ہے......؟'' وکیل استغاثہ نے چالاکی سے استفسار کیا۔

''جی بالکل، ہمارے درمیان اسی قسم کی بات ہوئی تھی۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا پھر ملزم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے نفرت آمیز لہجے میں بولا۔ ''اور اس شیطان نے اگلے ہی روز میرے گھر پر دھاوا بول دیا۔ یہ بہ خوبی جانتا تھا کہ میں رات دس بجے تک ایجنسی بند کر کے گھر آتا ہوں لہٰذا اس نے واردات کے لیے ایسا وقت چنا جب میری بیوی گھر میں تنہا ہوتی تھی۔ نگہت کی دور کی نگاہ بہت کمزور ہے اور وہ بیمار بھی رہتی ہے...... بلکہ تھی! اس ذلیل انسان نے نگہت کی کمزوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے گھر سے ایک لاکھ روپے اڑا لیے اور جب نگہت نے مزاحمت کی کوشش کی تو اس بھیڑیے نے گلا گھونٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا...... یہ تو ایک اتفاق ہے کہ وقوعہ کی شام میں جلدی گھر آگیا اور میں نے اسے اپنے گھر سے نکل کر تیزی سے ایک طرف جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ میں تو یہی سمجھا تھا کہ اس کا کوئی چھوٹا موٹا سامان میرے گھر میں رہ گیا ہوگا جسے لینے یہ وہاں آیا ہوگا لیکن میں اپنے گھر کے اندر داخل ہوا اور نگہت کو بیڈروم میں مردہ حالت میں پڑے دیکھا تو......تو......'' اس کی آواز جذبات کی شدت سے بوجھل ہوگئی پھر وہ جج کی طرف دیکھتے ہوئے منت ریز لہجے میں بولا۔

''سر...... ملزم کوئی انسان نہیں، ایک وحشی درندہ ہے۔ اسے جتنی بھی سخت سزا دی جائے وہ اس کے جرائم کی سنگینی کے آگے کچھ بھی نہیں ہوگی۔''

ان جذباتی لمحات کے ساتھ ہی وکیل استغاثہ نے بھی اپنی جرح کے اختتام کا اعلان دیا۔ ''دیٹس آل یور آنر...... مجھے گواہ سے اور کچھ نہیں پوچھنا۔''

اپنی باری پر میں جج کی اجازت حاصل کر کے وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت تک استغاثہ کا معزز گواہ بڑی حد تک سنبھل چکا تھا۔ میں نے بالکل مختلف اور جداگانہ انداز میں جرح کا آغاز کرتے ہوئے قاضی وحید سے کہا۔

''قاضی صاحب! میں مشکل اور پیچیدہ سوالات پوچھ کر آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔ صرف چند سوالات...... لیکن بہت سوچ سمجھ کر ان کا جواب دینا ہوگا۔''

وہ خاموش نظر سے یک ٹک مجھے دیکھتا چلا گیا۔

میں نے کہا۔ ''میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ ملزم نے آپ کے گھر کی تعمیر میں کوئی رقم لگائی یا نہیں۔ اس بات کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ہوگا کہ ملزم نے بینک سے جو لون لیا وہ اس نے کہاں خرچ کیا اور نہ ہی ایسا کوئی قصہ چھیڑا جائے گا کہ برے وقت میں آپ نے کن کن مواقع پر ملزم کی مالی اور اخلاقی مدد کی اور کب کب ملزم نے احسان فراموشی کا مظاہرہ کیا......''

''تو پھر آپ پوچھیں گے کیا؟'' وہ الجھن زدہ لہجے میں مستفسر ہوا۔

''چند اہم اور سادہ سے سوالات۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تو آپ جوابات کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر تیار ہیں نا......؟''

وہ متذبذب انداز میں بولا۔ ''جی...... تیار ہوں۔''

''قاضی صاحب! کیا آپ واقعی اپنا مکان فروخت کرنا چاہتے تھے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا۔'' اس نے حیرت بھرے انداز میں مجھے دیکھا۔ ''اگر مجھے مکان بیچنا نہ ہوتا تو میں پارٹی سے ایک لاکھ روپے وصول کر کے سیل ایگریمنٹ پر دستخط کیوں کرتا؟''

''اس سیل ایگریمنٹ کی رو سے مذکورہ پارٹی نے ایک ماہ کے اندر آپ کو باقی پانچ لاکھ ادا کر کے مکان کا قبضہ لینا تھا۔'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اب اس واقعے کو کئی ماہ کا عرصہ بیت گیا ہے۔ کیا آپ نے بقیہ رقم وصول کر کے مکان اس پارٹی کے حوالے کر دیا ہے؟''

''نہیں......'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''میں ابھی تک اپنے ہی مکان میں رہ رہا ہوں۔''

''ایگریمنٹ کے اصول وضوابط کے مطابق، اگر مذکورہ پارٹی ایک ماہ کے اندر باقی پیمنٹ نہ کرتی تو اس کے ادا کردہ ایک لاکھ آپ کے ہو جاتے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔'' میں نے قاضی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''اور اگر آپ اس سیل ایگریمنٹ کی مخالفت کرتے جیسا کہ آپ نے کی...... تو آپ کو دگنا اس پارٹی کو ادا کرنے ہوتے۔ کیا آپ نے مکان کی فروخت کی ڈیل کو کینسل کرتے وقت مذکورہ پارٹی کو دو لاکھ روپے ادا کیے تھے؟''

''دنیا میں تمام انسان ملزم کی طرح مطلبی، فریبی اور بے حس نہیں ہوتے۔'' وہ میرے موکل پر گہری چوٹ کرتے ہوئے بولا۔ ''میری بیوی کو بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار کر ایک لاکھ روپے کی رقم کو گھر سے چوری کر لیا گیا تھا۔ وہ پارٹی میری مجبوری کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی لہٰذا مجھ پر ایگریمنٹ کے قواعد وضوابط کا دباؤ ڈالنے کے بجائے انہوں نے کہا کہ اگر میں مکان فروخت نہ کرنا چاہوں تو اپنی سہولت سے چند دنوں میں ان کی رقم واپس کر دوں۔ میں نے پارٹی کا شکریہ ادا کیا اور ادھر ادھر سے ادھار پکڑ کر پارٹی کی رقم لوٹا دی۔ اس طرح یہ معاملہ سیٹل ہوگیا۔''

''اس قسم کے معاملات اتنی آسانی سے سیٹل نہیں ہوا کرتے قاضی صاحب!'' میں نے ذومعنی انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''آپ نے اپنے گھر کی بالائی منزل کی تعمیر کے سلسلے میں خریدے گئے ایک ایک سامان کی رسیدیں عدالت میں پیش کر کے خود کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا، آپ اگر ایک لاکھ روپے کی اپنے گھر میں موجودگی کا بھی کوئی ثبوت فراہم کر دیتے۔''

''میں سمجھا نہیں......'' وہ الجھن زدہ انداز میں بولا۔ ''آپ کس قسم کے ثبوت کی فراہمی کی بات کر رہے ہیں؟''

''اس سیل ایگریمنٹ کی ایک نقل اگر عدالت کی خدمت میں پیش کردی جاتی جو مکان کے چھ لاکھ میں فروخت کے سلسلے میں تیار کیا گیا تھا جس میں سے ایک لاکھ آپ نے ایڈوانس میں وصول کر لیے تھے تو...... کم از کم یہ تو ثابت ہو جاتا کہ وقوعہ کے روز آپ کے گھر میں ایک لاکھ کی رقم موجود تھی......؟''

''اگر عدالت کا حکم ہوگا تو میں اس ایگریمنٹ کی نقل مہیا کر دوں گا۔'' وہ جز بز ہوتے ہوئے بولا۔

''اور اگر اس پارٹی کی گواہی مقصود ہوئی تو......؟''

''تو میں اس پارٹی کو بھی عدالت میں لاسکتا ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے، آپ مذکورہ پارٹی کے پتے ٹھکانے سے اچھی طرح واقف ہیں؟'' میں نے تیز لہجے میں استفسار کیا۔

''جی ہاں...... میں انہیں جانتا ہوں۔''

''کیا میں مذکورہ پارٹی کا نام اور ایڈریس جان سکتا ہوں؟''

''میں آپ کو کوئی بھی جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔'' وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اگر عدالت مجھ سے کہے گی تو میں اس کے احکام کی ضرور تعمیل کروں گا۔''

''قاضی صاحب! میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''آپ اس ایگریمنٹ کی نقل عدالت کو مہیا کر سکتے ہیں اور نہ ہی مذکورہ پارٹی کو عدالت میں پیش کر سکتے ہیں کیونکہ مکان کی فروخت ایک خوبصورت فرضی قصہ ہے، ملزم کو بے وقوف بنانے اور قتل کے مقدمے میں پھنسانے کے لیے آپ نے سازش کا ایک جال بُنا تھا جس کی حقیقت مجھ پر آشکار ہو چکی ہے......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر انکشاف انگیز لہجے میں کہا۔

''قاضی صاحب! آپ تو اس مکان کو بیچنے کے مجاز ہی نہیں ہیں پھر کہاں کی پارٹی اور کہاں کا سیل ایگریمنٹ......؟''

''یہ...... یہ......'' وہ بکھری ہوئی آواز میں بولا۔

''آپ...... کیا کہہ...... رہے ہیں......؟''

''میں حقیقت بیان کر رہا ہوں قاضی صاحب!'' میں نے ترش لہجے میں کہا۔ ''آپ جس مکان میں رہ رہے ہیں اس کا اصل مالک کبیر وارثی نامی ایک شخص ہے۔ کبیر وارثی کی بدقسمتی کہ وہ آپ جیسے دھوکے باز شخص کا رشتے میں سالا

لگتا ہے۔ کبیر وارثی نے یہ مکان اپنی بہن مقتولہ نگہت کو رہنے کے لیے دیا تھا۔ پھر اچانک کبیر وارثی کی موت واقع ہوگئی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

قاضی کے غبارے کی ہوا بڑی حد تک نکل چکی تھی۔ میرے انکشاف نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ تمام تر معلومات علی مراد کی کاوشوں کے نتیجے میں مجھ تک پہنچی تھیں۔ قاضی کی تیزی سے بدلتی ہوئی حالت جج اور عدالت میں موجود کسی بھی شخص سے پوشیدہ نہیں تھی تاہم آخری لمحات میں اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''وارثی نے اپنی موت سے قبل مکان اپنی بہن یعنی میری بیوی نگہت کے نام کر دیا تھا......''

''اور آپ کی کوشش تھی کہ نگہت اپنی موت سے قبل وہ مکان آپ کے نام کر دے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''جب بیوی کو رام کرنے کی آپ کی ساری کاوشیں ناکامیاب ہوگئیں تو آپ نے میرے موکل کو قربانی کا بکرا بنا کر بیوی کا پتا صاف کر دیا......؟''

''آبجیکشن یور آنر!'' وکیل استغاثہ نے صدائے احتجاج بلند کی۔ ''ڈیفنس کونسل استغاثہ کے معزز گواہ پر الزام لگا کر سنگین جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔''

جج جو بڑی توجہ اور انہماک سے میری جرح سماعت کر رہا تھا، مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''بیگ صاحب! آپ استغاثہ کے اعتراض پر کیا کہیں گے؟''

''جناب عالی! فی الحال تو میں یہی کہوں گا کہ میں نے استغاثہ کے معزز گواہ قاضی وحید پر جو سنگین الزام تراشی کی ہے اسے عدالت کے روبرو ثابت بھی کر کے دکھا سکتا ہوں۔''

''اوہ......!'' جج نے متاسفانہ انداز میں کہا۔ ''گویا آپ یہ ثابت کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ قاضی وحید نے اپنی بیوی کو قتل کیا ہے؟''

''آف کورس یور آنر!'' میں نے اعتماد کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے یہ آواز بلند کیا۔

جج نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''پرمیشن گرانٹیڈ......!''

''جناب عالی!'' میں نے جج سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں اس کیس کے انکوائری آفیسر سے چند سنجیدہ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

کسی بھی کیس میں انکوائری آفیسر کی حیثیت استغاثہ کے گواہ ایسی ہوتی ہے اور اسے ہر پیشی پر عدالت میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔ اس کیس کا انکوائری آفیسر ایک سب انسپکٹر تھا۔ جج کے حکم پر وہ وٹنس باکس میں آکر کھڑا ہوگیا۔

میں تفتیشی افسر کے قریب پہنچا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ''آئی او صاحب! آپ نے پوسٹ مارٹم اور میڈیکل ایگزامنر کی رپورٹ کا تو بڑی توجہ سے مطالعہ کیا ہوگا؟''

''یہ تو میرے فرض کا حصہ ہے وکیل صاحب۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''میں اس سلسلے میں غفلت کس طرح برت سکتا ہوں۔''

''جائے وقوعہ پر آپ نے جو مشیر نامہ تیار کیا تھا اس سلسلے میں بھی آپ نے یقیناً بہت احتیاط سے کام لیا ہوگا؟''

''جی......'' اس نے مختصر جواب دینے پر اکتفا کیا۔

''آئی او صاحب!'' میں نے لہجے کی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں انہی تین رپورٹس کے مندرجات میں سے بعض کو ہائی لائٹ کروں گا۔ آپ صرف ''ہاں'' یا ''نہ'' میں جواب دیں گے......آر یو ریڈی؟''

''یس......!''

''مقتولہ نگہت کی موت پندرہ اکتوبر کی شام یا رات جو بھی کہہ لیں......سات اور نو بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی؟''

''یس!'' آئی او نے جواب دیا۔

''اسے گلا گھونٹ کے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا؟''

''یس!''

''مقتولہ کی گردن پر قاتل کی انگلیوں کے نشانات نہیں ملے تھے۔'' میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''جس سے یہ طے کر لیا گیا کہ قتل کے وقت قاتل نے اپنے ہاتھوں پر دستانے پہن رکھے تھے؟''

آئی او کا جواب آیا ''یس!''

''مقتولہ کی لاش کے طبی معائنے سے پتا چلا تھا کہ جس شخص نے بھی گلا گھونٹ کر مقتولہ نگہت کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں (رنگ فنگر + مڈل فنگر) میں بھوی انگوٹھیاں پہن رکھی تھی۔ انگلیوں کے مخصوص دباؤ کے ساتھ ہی مذکورہ انگوٹھیوں کا دباؤ اور اس دباؤ سے بننے والے نشانات مقتول کی گردن پر ڈھونڈ لیے گئے تھے؟''

''یس!''

انگوٹھیوں کے ذکر پر قاضی وحید نے بے ساختہ اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی یہ حرکت میری عقابی نگاہ سے چھپی نہ رہ سکی۔ تاہم میں نے اسے محسوس نہ ہونے دیا

کہ اس کی چوری پکڑی گئی ہے۔ میں نے بہ دستور انکوائری آفیسر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آئی او صاحب! وقوعہ کی رات لگ بھگ گیارہ بجے جب آپ نے ملزم فرقان کو اس کی سسرال واقع بہادر آباد سے گرفتار کیا تو کیا اس کے دائیں ہاتھ کی رنگ فنگر اور مڈل فنگر میں آپ کو انگوٹھیاں نظر آئی تھیں؟“

”نو......!“ اس نے بے ساختہ جواب دیا۔

میں ایک جھٹکے سے استغاثہ کے معزز گواہ قاضی وحید کی جانب مڑا اور قدرے درشت لہجے میں کہا۔ ”قاضی وحید! تمہاری انگوٹھیاں کہاں ہیں؟“

”مم...... میری انگوٹھیاں......“ اس نے مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”میں نے تو کبھی انگوٹھیاں پہنی ہی نہیں...... آپ...... کن انگوٹھیوں کا...... ذکر کر رہے ہیں......؟“

”وہ انگوٹھیاں جو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے قبل تمہارے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں موجود تھیں۔“ میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ”اور اس وقت بھی انگلیوں میں موجود تھیں جب تم نے اپنے ہاتھوں پر دستانے چڑھا کر اپنی بیوی کا گلا گھونٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا......؟“

”آپ...... جھوٹ بول رہے ہیں......“ وہ بے حد بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”بکواس کر رہے ہیں......“

”قاضی! میں تمہارے جاننے والوں میں سے کم از کم دس ایسے افراد کو گواہی کے لیے عدالت میں لاسکتا ہوں جنہوں نے وقوعہ سے پہلے سال ہا سال تک تمہاری انگلیوں میں چاندی کی دو ہیوی انگوٹھیاں دیکھی ہوں جن میں سے ایک انگوٹھی میں پندرہ قیراط کا حسین فیروزہ اور دوسری انگوٹھی میں دس قیراط کا یمنی عقیق جڑا ہوا تھا۔“ میں اپنی ہی روانی میں بولتا چلا گیا۔ ”اور دس ایسے افراد کو عدالت تک لانا بھی میرے لیے چنداں مشکل نہیں جو سال ہا سال سے ملزم کے قریب رہے ہوں لیکن انہوں نے کبھی اس کی کسی انگلی میں کوئی بھی انگوٹھی نہ دیکھی ہو اور......“ میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا اور قاضی کے حوصلے کے تابوت میں آخری میخ بھی ٹھونک دی۔

”اور ان ملے جلے گواہی بردار افراد میں سے آٹھ دس تو اس وقت بھی باہر برآمدے میں بیٹھے ہوئے ہیں......“

ادھر میری بات ختم ہوئی ادھر قاضی وحید نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا۔ اس کے بدن کی مخصوص جنبش سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اسے شدید نوعیت کا چکر آگیا ہو۔ یہ میرے اس کاری وار کا اثر تھا جو میں نے انگوٹھیوں کی شہادتوں کے حوالے سے اس پر کیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ تیورا کر کٹہرے کے فرش پر دھڑام سے گرا۔

☆☆☆

گزشتہ پیشی پر میرے کڑے سوالات کے نتیجے میں قاضی وحید کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس نے قاضی کا مجرم ہونا ثابت کر دیا تھا۔ جب عدالت کے حکم پر اسے پولیس کے حوالے کیا گیا تو اس نے اقبال جرم ہی میں عافیت جانی۔

قاضی کی بیوی یعنی مقتولہ نگہت دل کی بہت اچھی عورت تھی۔ قاضی نے فرقان کے ساتھ جو ایک لاکھ کا فراڈ کیا تھا وہ اس پر سخت برہم تھی اور اس نے قاضی کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے فرقان کی رقم واپس نہ کی تو وہ اس کے خلاف اور فرقان کے حق میں گواہ بن جائے گی۔ قاضی پہلے ہی اپنی بیوی کی بیماری سے نالاں تھا اور اسے ٹھکانے لگانے کی ترکیبیں ڈھونڈتا رہتا تھا تاکہ مکان پر اس کا بلاشرکت غیرے قبضہ ہو جائے۔ نگہت بڑی حد تک قاضی کی نیت کو سمجھتی تھی اور اپنی زندگی میں تو وہ کسی بھی قیمت پر مکان اس کے نام کرنے کو تیار نہ ہوتی لہٰذا قاضی نے فرقان کو قربانی کا بکرا بنا کر ایک تیر سے دو شکار کرنے کا منصوبہ بنایا اور پھر اپنے اس منصوبے پر عمل بھی کر ڈالا۔ اس نے پندرہ اکتوبر کی شام آٹھ بجے فرقان کو اپنے گھر بلایا تاکہ جائے وقوعہ پر اس کی آمد رجسٹر ہو جائے۔ وہ فرقان کے آنے سے پہلے اپنی بیوی کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا اور گھر کے اندر چھپا بیٹھا تھا۔ گھر کو اس نے لاک کر دیا تھا تاکہ فرقان کو یہی تاثر ملے کہ گھر کے اندر کوئی موجود نہیں اور وہ مایوس ہو کر واپس چلا جائے۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ قاضی کے اقرار جرم کے بعد عدالت نے میرے موکل فرقان کو باعزت بری کر دیا تھا۔

موچی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو تے گانٹھنے کا کام کرتا ہو اور دوسرا وہ جس کے دماغ میں موچ آجائے۔ دماغ کی موچ والے موچی کو دنیا کی ہر شے ٹیڑھی نظر آتی ہے چاہے وہ اس کے اپنے گھر کا آنگن کیوں نہ ہو۔ جن لوگوں کو ناچنے کا ڈھنگ نہ آتا ہو وہ بھی آنگن کو ٹیڑھا کہہ کر اپنی ساری نالائقیوں کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

قاضی وحید نے بھی ایک ایسی ہی بے ڈھنگی اور ٹیڑھی کوشش کی تھی اس لیے وہ بے آواز لاٹھی کی دھواں دھار ضرب سے خود کو محفوظ نہ رکھ سکا اور عبرت ناک انجام سے دوچار ہوا۔

(تحریر: حُسام بٹ)